سوانح

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

وحید احمد مسعود

پاک اکیڈمی ۱۴۱ وحید آباد کراچی ۱۸

53374

انڈیا میں کتاب دستیاب ہونے کے پتے

۱۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی ۶ انڈیا

۲۔ مکتبہ تجلی۔ دیوبند۔ یو پی۔ انڈیا

۳۔ مکتبہ نشاۃ ثانیہ معظم جاہی مارکیٹ، حیدرآباد دکن، آندھرا پردیش انڈیا

۴۔ نظامی پریس۔ محلہ سوتہ۔ بدایوں۔ یو۔ پی انڈیا

سال طباعت	۱۹۶۵ء
بار اول	ایک ہزار
قیمت	چھ روپے
مطبوعہ	مشہور پریس کراچی

پاکستان میں ملنے کے پتے

۱۔ صدیق اینڈ کمپنی، بیرون لوہاری دروازہ لاہور

۲۔ مولوی شمس الدین تاجر کتب۔ مسلم مسجد، چوک انارکلی لاہور

۳۔ ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور

Marfat.com

وَاِنَّہٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ

الٰہی آفتاب چشتیاں رخشندہ بادا

سوانح

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

مرتبہ

وحید احمد مسعود

Marfat.com

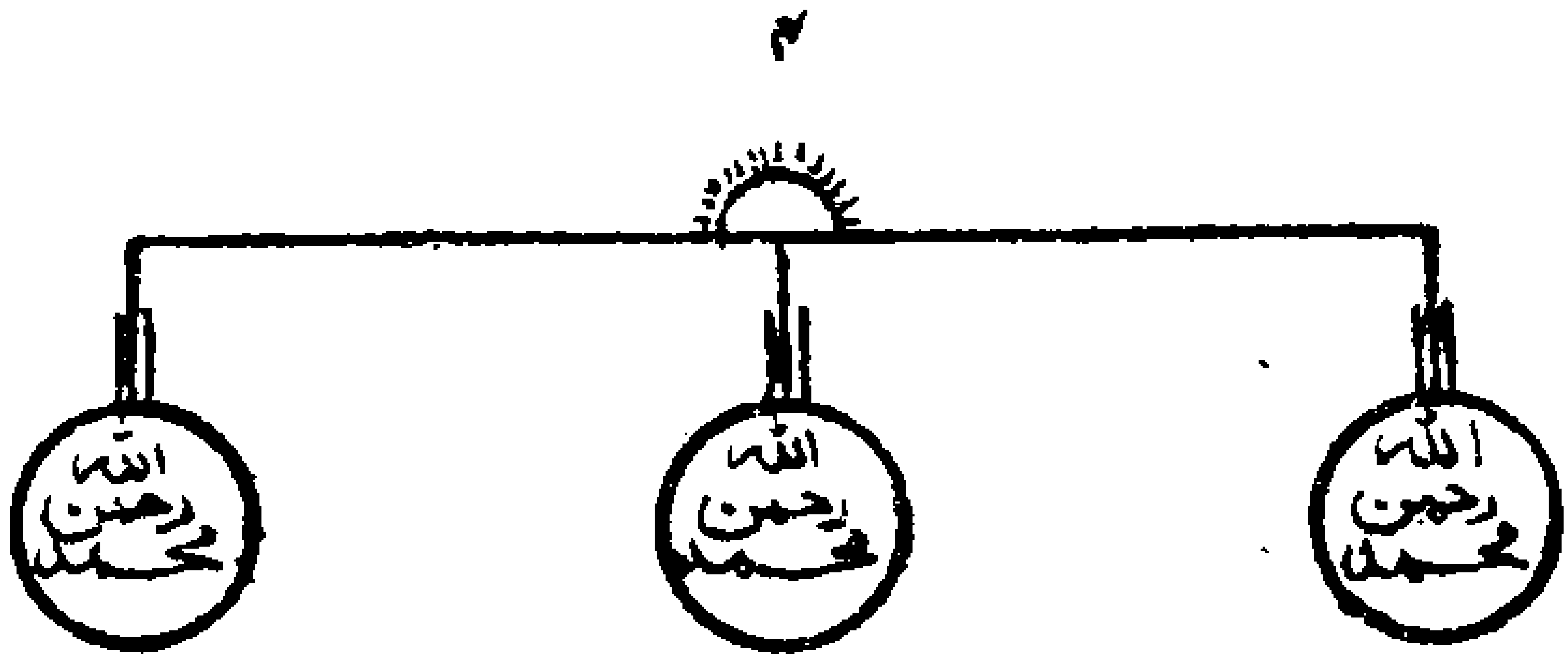

گنج شکر ذرا کھولو کواڑیاں

درشن دکھا دے

میں جاؤں بلہاری

دوارے پہ تیرے سکھیاں آئیں

چشت نگر کی ساری رے

میں جاؤں بلہاری[1]

---

[1] محافل سماع میں یہ ٹھمری عجیب تاثیر رکھتی ہے۔ گمان غالب یہ ہے۔ کہ عم محترم حکیم احمد جان مرحوم (ف ۱۹۰۸ء) کی طبع زاد ہے۔ (وحید احمد)

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	تہدیہ	۷
۲	پیش لفظ (از جناب پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی، سابق صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)	۹
۳	مقدمہ	۱۵
۴	بیعت	۲۳
۵	تربیت وتعلیم	۳۴
۶	سیاحت	۳۸
۷	نسب	۵۴
۸	شجرہ پدری	۷۰
۹	شجرۂ ارادت	۷۱
۱۰	خلافت	۷۲
۱۱	نقشہ برصغیر پاک و ہند	۸۲

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۲	مجاہدات	۸۳
۱۳	ازواج واولاد	۹۸
۱۴	اجودھن میں	۱۰۷
۱۵	انقلابات اجودھن	۱۲۹
۱۶	تبلیغ و مشاغل	۱۳۱
۱۷	آخری شب	۱۸۱
۱۸	حسنِ ذات و حسنِ سلوک	۱۸۷
۱۹	شاعری	۲۰۳
۲۰	ارشادات	۲۲۲
۲۱	وظائف	۲۲۸
۲۲	سماع	۲۳۱
۲۳	خلفاء	۲۳۹
۲۴	درگاہ و مزارات	۲۷۸
۲۵	سجادہ نشین	۲۸۶
۲۶	تاریخی حوالے	۲۹۰
۲۷	کتابیات	۲۹۳

Marfat.com

۷۸۶

اللہ

رحمٰن

محمد

خواجہ فریدؒ — مولانا فریدؒ — حاجی فریدؒ — شیخ فریدؒ — ڈینگی نوازؒ

تہدیہ

بحضور

حضرت سلطان الہند خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رح

و

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رح

و

جد محترم جناب شیخ شرف الدین سی۔ آئی۔ ای مرحوم

منجانب

عبد بے نوا

وحید احمد مسعود صابری علیگ

شیخوپور بدایوں

یکم رجب المرجب ۱۳۸۴ھ

Marfat.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

پیش لفظ

از جناب پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی ایم اے علیگ
سابق صدر شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تصوف کا خواب کثرتِ تعبیرات سے پریشان ہو گیا ہے۔ جتنے مُنہ اُتنی ہی باتیں۔ کوئی اس کو یونانی الاصل بتاتا ہے اور کوئی اس کا سلسلہ ہند اور ایران سے ملاتا ہے مگر خود صوفیہ اس کو عین تعلیماتِ اسلامی کا خلاصہ کہتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ صوفیہ کا مسلک عموماً قرن اول کے مسلک سے مختلف نظر آتا ہے[1]۔ تاہم جہاں تک رجوع الی اللہ۔ تصفیۂ قلب اور تزکیۂ روح کا تعلق ہے۔ تصوف کے

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح اس مسلک کا سلسلہ قرن اول سے ملاتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کی بھی صوفیان متقدمین کے متعلق یہی رائے ہے۔ اور ان کو سادات مومنین اور ضیاء المسلمین کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ البتہ اُنہیں اپنے زمانہ کے متاخرین صوفیاء پر اعتراض تھا (مؤلف)

Marfat.com

عناصر کتاب و سنت سے مستفاد معلوم ہوتے ہیں۔ قرون وسطیٰ میں صوفیۂ مشائخ نے ایران اور ہندوستان میں اسلام کی رُوح کو پھیلایا۔ دکھی انسانیت کو ڈھارس دینے اور اونچ نیچ کا تفرقہ مٹانے میں جو مساعی جمیلہ انجام دیں وہ ہماری تاریخ کا زرّیں باب ہیں۔ اس سلسلہ میں خواجگانِ چشت (حضرت خواجہ اجمیری رح اور ان کے خانوادے کے دوسرے بزرگوں) کا رول نہایت شاندار رہا ہے۔ انہیں بزرگوں میں بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رح ہیں جن کا تذکرہ ہمارے محترم دوست جناب شیخ وحید احمد مسعود بدایونی نے ترتیب دیا ہے۔ بابا صاحب کے سوانح کے قلمبند کرنے کے لیے موصوف ہر طرح موزوں تھے اس کے کئی وجوہ ہیں۔ اوّل تو انہوں نے اس موضوع (تصوف اور حضرات صوفیہ) سے متعلق مطالعہ کافی کیا ہے اور وہ اس سے پہلے حضرت خواجہ اجمیری رح کے سوانح شائع کر چکے ہیں۔ دوسرے وہ انگلستان میں رہ کر مغربی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود تصوف سے ذاتی مناسبت رکھتے ہیں۔ اس لیے اس مبحث پر ان کا APPROACH عامیانہ نہیں کہا جا سکتا۔ تیسرے وہ بزرگانِ دین سے عقیدت تو رکھتے ہیں لیکن آنکھیں بند کر کے 'خوش اعتقادی' سے ہر روایت پر ایمان نہیں لے آتے۔ چوتھے وہ خود فریدی ہیں اور بابا فرید صاحب رح کے حالات پر قلم اٹھانے کا ان کو حق پہنچتا ہے کہ 'اہل البیت ادریٰ بما فی البیت'۔ بابا صاحب رح کے سوانح کا مواد متعدد تذکروں میں ملتا

Marfat.com

ہے۔ جن میں سے بعض پرانے اور مستند ہیں۔ ان حالات میں معلوم نہیں مؤلف کو ایک کشفی تذکرے (اسرارِ عترت فریدی) سے استشہاد کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی[1] تاہم یہ امر موجب اطمینان ہے کہ موصوف نے موقع موقع سے روایات پر جرح و نقد سے کام لیا ہے مثلاً شیخ یوسف چشتی کی وفات سنہ ۲۵۵ھ میں ہوئی تھی۔ لہذا یہ کیونکر ممکن تھا کہ بابا صاحبؒ جن کی تاریخ ولادت سنہ ۵۷۱ھ یا سنہ ۵۶۹ھ ہے۔ ان سے ملاقات کرتے۔ علیٰ ہذا حمید الدین ناگوری رح کی تنہائے سجادگی کے بارے میں بھی جناب مؤلف کا استدلال درست ہے۔ مشاغل کے عنوان سے اُنہوں نے صوفیۂ صافیہ کی اصلاحِ باطن کے جو دستور بنائے ہیں وہ بہت سبق آموز ہیں۔ غرض شیخ صاحب کی یہ تالیف واقعات کی تحقیق اور جامعیت کے لحاظ سے مجموعی طور پر نہایت قابل قدر ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ صوفیائے کرام خصوصاً حضرات چشت کے سبق آموز اور بصیرت افروز حالات سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب اس کی کما حقہٗ قدر و منزلت کریں گے۔

دُوسرا رخ: انصاف کا تقاضا ہے کہ صوانح حضرت بابا صاحبؒ کی خوبیوں کے ساتھ بعض فروگذاشتوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے

---

[1] یہ تذکرہ اگرچہ غریب ہے۔ مگر اکثر اُس خلاء کو پُر کر دیتا ہے۔ جس کے متعلق ظاہری اور مستند تذکرے خاموش ہیں۔ (مؤلف)

Marfat.com

مثلاً سوانح مذکور میں ولادت اور نسب وغیرہ سے پہلے بیعت کے ذکر سے آغاز کیا گیا ہے جس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر کہا جائے کہ اہل طریقت کے نزدیک زندگی کا آغاز صحیح طور پر بیعت سے ہی ہوتا ہے۔ تاہم ہم اس کو تذکرہ نگاری کے اصول کے خلاف سمجھتے ہیں۔ بابا صاحب رح کے سنین میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ میر خورد نے اسرار الاولیاء میں آپ کا سال ولادت ۵۶۹ھ اور عمر ۹۵ سال بتائی ہے۔ ان کے برخلاف امیر حسن سجزی بدایونی فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہی رح کے حوالے سے آپ کی عمر ۹۳ سال بتاتے ہیں۔ جس سے پیدائش کی تاریخ ۵۷۱ھ برآمد ہوتی ہے۔ (بابا صاحبؒ کا سال وصال ۶۶۴ھ[1] ہے) ایک روایت کے مطابق آپ کی عمر حضرت قطب صاحب رح سے ملاقات کے وقت اٹھارہ سال مان لی جائے تو بھی فوائد الفواد کے بیان کے مطابق بآسانی تطبیق ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس بیان کو باور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

اسی طرح چلۂ معکوس کے ذکر میں یہ کہنا کہ خود حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز معکوس ادا فرمائی ہے بالکل بے اصل

---

[1] یہ بعض راویوں کا قیاس ہے۔ مگر واقعات اس کی تردید کرتے ہیں۔ (مؤلف)

Marfat.com

ہے۔ درویشوں کی چہار ترکی کلاہ کو ترکی کلاہ فرض کر لینا بھی صحیح نہیں (ص ۷۶ پر ذی علم مؤلف نے بغیر دلیل کے قیاسات سے کام لیا ہے جس کو ایک مورخ یا تذکرہ نگار کے لیے کسی طرح موزوں نہیں کیا جا سکتا۔ ——— حضرت آدم کو صفی اللہ سے مخاطب کیے جانے کی وجہ سے عالم علوی میں سب سے پہلے ان کے تصوف کو قبول کرنا قرار دیا ہے جو محل نظر ہے۔ احتیاط کی رعایت کے باوجود مؤلف کہیں کہیں دائرہ احتیاط سے متجاوز ہو گئے ہیں مثلاً یہ لکھنا کہ خاصانِ خدا اپنے اپنے ظرف کے مطابق اپنے جلووں اور قدرتوں کا مشاہدہ کراتے ہیں۔ ——— یا خود بخود آزاد گشتی خود گرفتار آمدی جیسے اقوال کو قرآن پاک کے مفہوم کی طرف اشارہ کرنے والا ٹھیرانا ——— شریعت حقہ سے صریحاً متعارض ہے۔

ان چند امور سے قطع نظر کتاب بہت مفید اور دلچسپ ہے اور اس قابل ہے کہ اہل ذوق اور ارباب علم اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں۔

مسلم یونیورسٹی

۱۲ - ۴ - ۶۲

ضیاء احمد بدایونی

Marfat.com

Marfat.com

سات سَو چھیاسی

مقدمہ

رب بے نیاز ہر تعریف سے بالا ہے۔ اس کی نعمتوں کا شمار دشوار ہے اور شکریہ تو ممکن ہی نہیں۔ مگر تقاضائے بندگی یہی ہے کہ نعمتوں کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ہی اشارہ تھا اور اسی کی توفیق ہے کہ مجھ جیسا عبد حقیر و ذلیل اس کتاب کو لکھ سکا۔

ہے زیبا اُسے سروری برتری

الحمد للہ علیٰ احسانہٖ انسان کامل حضور رحمۃ للعالمین و خاتم النبیین روحی فداہٗ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اور اُسوہ حسنہ نہ صرف نمونہ و ہدایت ہے بلکہ نجات کا ذریعہ بھی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی جناب میں بغیر اُس ذات قدسی کی پیروی و دستگیری کے گزر ممکن نہیں۔ مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام۔ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و ازواجہٖ و اصحابہٖ و اولیاء و اصفیاء اُنہیں کی آل ہیں جو خود اتباع کرکے دوسروں کو ان کے دربار تک پہنچاتے ہیں۔ انہیں کے متعلق ارشاد نبویؐ ہے کہ میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں

Marfat.com

کی مانند ہیں۔ بنی اسرائیل کے نبیوں کی اُمّت نے متابعت نہیں کی اور مورد عذاب ٹھہری۔ اسی طرح علمار اُمّت کو بھی سختیوں اور نافرمانیوں سے سابقہ پڑنا چاہیئے۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے علم و عمل سیکھتے تھے اور جو حضورؐ کو کرتے دیکھتے اسی کی نقل کرتے تھے۔ بعد میں علم کی چون وچرا بڑھ گئی تو رخنہ پڑا۔ پھر جن علماء زہاد نے اُسوۂ حسنہ پر قیام کیا اور سلوک صحابہ اختیار کیا وہ صوفی کہلائے۔ آگے چل کر علم و عمل کے تفرقہ نے ایسی طرح ڈالی کہ دانشمندوں اور صوفیوں میں مغایرت پیدا ہو گئی۔

حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ کے سوانح لکھنے میں اُسوۂ حسنہ نبویہؐ کو مدنظر رکھا گیا ہے تاکہ بزرگانِ دین کا مسلک واضح ہو۔ اور لوگ انسانیت اور بندگی کے معنی سمجھ سکیں۔ اس کوشش میں جن کرمفرماؤں نے میری مدد کی ہے ان کے احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا اور ان کا شکریہ ضروری ہے۔ جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری (لاہور) نے پہلے ہی روز سے مشورے دیئے اور مختلف کتابیں فراہم کرکے میری دستگیری فرمائی۔ قبلہ محترم حضرت دَرد کاکوروی صاحب (کراچی) نے ہمت افزائی فرمائی اور برابر دلچسپی لیتے رہے اور میرے عزیز محمد ایوب قادری صاحب ایم۔اے (کراچی) نے بھی مجھ پر کرم فرمایا۔ بجائے کسی صوفی اہل قلم کے میں نے اپنے

Marfat.com

دیرینہ کرمفرما جناب مولانا ضیا احمد صاحب بدایونی ایم۔ اے علیگ کو مقدمہ لکھنے کی زحمت دی۔ صاحبِ تصنیف ہونے کے علاوہ مولانائے محترم اپنی ذہانت و ذکاوت کا جواب نہیں رکھتے۔ حضرت مولانا نے پیش لفظ ہی نہیں لکھا بلکہ بعض مقامات پر نوک و پلک بھی درست فرمائے ہیں۔ ان کی بھانجی عزیزہ ماجدہ بیگم سلمہا ایم۔ اے علیگ کے لیے دست بدعا ہوں کہ حضرت مولانا کی عدیم الفرصتی کی وجہ سے مقدمہ کے متعلق انہیں یاد دہانی کراتی رہیں۔ عزیزہ سلمہا خود حضرت جمال ہانسوی رح کے دیوان پر مقالہ لکھ رہی ہیں۔ پیش لفظ کے آخری حصہ کی قدر مجھے بہت زیادہ ہے جس کا نام مولانا نے "دوسرا رخ" رکھا ہے۔ اب اگر اقبالِ گناہ کے طور پر اس کے متعلق کچھ عرض کردوں تو غالباً خلافِ ادب نہ ہوگا۔

یہ صحیح ہے کہ میں نے آغازِ کتاب بیعت کے بیان سے کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ابواب کی ترتیب میں بھی تغیر کر دیا ہے۔ بیشک یہ سوانح نگاری کے دستور کے خلاف ہے۔ لیکن ایک دوسری نوعیت سے قاعدے کے اندر بھی ہے۔ مصور تصویر کو اپنے پسندیدہ رُخ سے کھینچنے کا حق رکھتا ہے۔ گرچہ بد نماییست نزدِ عاقلاں، مگر یہ "ایجادِ بندہ" مجھے اُمید ہے کہ معیوب نہیں سمجھی جائے گی خصوصاً اس وجہ سے کہ کسی قسم کا ہرج واقع نہیں ہوتا۔ اپنی اس جرأت کے جواز کے لیے حضرت غوث پاکؒ کا ارشاد پیش کرسکتا ہوں کہ

Marfat.com

نسبت ہی صوفی کی پیدائش کا دن ہے۔" عمر اور وصال کی تاریخوں
پر جو اصلاح فرمائی ہے وہ اپنی جگہ ٹھیک ہو سکتی ہے۔ اس
لیے کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے ۷۲۵ھ کو سالِ وصال مانا ہے لیکن
میں نے حضرت سلطان المشائخ کی تقویت پر سالِ وصال ۷۶۱ھ
لکھا ہے۔ چنانچہ آخری شب والے باب کے نوٹ نوٹ میں
استدلال ملاحظہ کر لیا جائے۔ قرآنی مفہوم رکھنے والے اشعار کے تحت
میں خود بخود آزادگشتی والا شعر درج کر دیا تھا۔ اعتراض سُن کر اسے
محذوف کر دیا۔ صلوٰۃ معکوس کے متعلق توجیہہ کر دی گئی ہے۔
حضرت آدم علیہ السلام چونکہ پہلے آدمی ہیں اس لیے ہر صاحب علم و
فن اپنے علم و فن کی نسبت ان سے ہی کر دیا کرتا ہے۔ چنانچہ مشہور
ہے کہ ناظم اوّلین حضرت ابوالبشر تھے اور حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ
نے تو صاف کہا ہے کہ آنکہ اول شعر گفت آدم صفی اللہ بود۔ طبع
موزوں حجتِ فرزندیٔ آدم بود۔ اسی طرح غالباً حیاتِ وارث میں
جناب شیدا نے لکھا ہے کہ عالم علوی میں سب سے پہلے صوفی آدم
صفی اللہ تھے۔ نقل کرنے کا گنہگار ہوں مگر اعتراض کا جواب دینے
کو طیار نہیں۔ خلافت والے باب میں "چہار گوشہ ترکی کلاہ" جیسے الفاظ
مسودہ میں راحت القلوب کے ترجمہ سے نقل کر دیئے گئے تھے۔ اور
مطلق خیال نہیں تھا کہ علیگڈھ پہنچ کر اس غلط ترکیب میں ترکی کی
تے کا زبر، پیش کی صورت اختیار کر لے گا۔ جواب میں حضرت منصور

Marfat.com

علیہ الرحمۃ کی طرح کہنا چاہتا تھا کہ یہ عبارت میری نہیں ہے۔ بلکہ دوسری کتاب کی ہے"۔ مگر فتویٰ ظاہر پر لگتا ہے۔ لہذا عرض ہے کہ گناہ من است۔ اب اپنی بے بضاعتی اور اپنے نقطہ نظر کی بھی تشریح ضروری سمجھتا ہوں۔

داستان پاستان اس لیے دہرائی جاتی ہے کہ سبق آموز ہو اور اس سے ہدایت حاصل کر سکے۔ شخصیت پرستی اس کا مدعا نہیں ۔ اولی العظم ہستیوں اور مشاہیر کے عزائم اور دعوت عمل کی ادب کے ساتھ یاد تازہ کرنا ہے تاکہ اصلاح و ترقی کے تصوّرات صحیح اور بلند تر ہو سکیں۔

قدیم زمانہ میں مبالغہ کو وصف سمجھا جاتا تھا لیکن اس کا کوئی معیار نہیں تھا۔ بزرگانِ دین کے تذکروں اور ملفوظات میں خوش عقیدگی اور زود اعتقادی کا اظہار پایا جاتا ہے۔ خوش عقیدگی کی توجیہ تاویل بھی کی جا سکتی ہے مگر زُود اعتقادی کو کسی طرح بھی جائز نہیں خیال کیا جا سکتا۔ تفوق و عجائب پرستی کی وجہ سے ان بزرگوں کے حالات میں بعض جگہ "یوگا" اور "اُپنشد" کی لاطائل کہانیوں کو بھی شامل و داخل کر لیا گیا ہے جس کی وجہ سے تصویر غیر متناسب اور بھدّی ہو جاتی ہے۔ قطع نظر اس کے اب آخر میں صوفیوں کے باہمی اختلافات اور ان کی تشریحیں آنکھیں نیچی کر دینے کو کافی ہیں۔ اس قسم کی گلکاریاں مادّی عینک لگا کر کی جاتی ہیں اور یہ ہر نوعیت سے ننگِ روحانیت ہیں۔ حیرت ہے کہ ظاہری

Marfat.com

اخلاق و رسوم رکھنے والے روحانیت کا لحاظ کیوں نہیں رکھا کرتے اور اپنی فضیلیات کو روحانیت کے معیار پر کیوں نہیں پرکھا کرتے۔ صوفیاء کے مختلف سلاسل اگرچہ اپنے اپنے اصول رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے علیحدہ علیحدہ اصول کسی نوعیت سے اتحاد میں رخنہ انداز نہیں ہوتے اور وہ سب آپس میں متحد رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں ایک ہی سلسلہ و مشرب کے دو بزرگوں میں برتری و رقابت کی بحث صوفیوں کی شان کے خلاف ہے روحانیت من و تو کی روادار نہیں ہوا کرتی۔ روحانیت توحید پر مرکز ہے محور کے صحیح ہو جانے پر توحید کی تبلیغ روحانیت سے ہی کی جا سکتی ہے اس کے علاوہ ہماری تاریخیں بھی مغالطوں سے خالی نہیں۔ مختلف زمانوں کی حسب مراد لکھی ہوئی تاریخ تعصب و بغض کی بنیاد بن گئی ہے اور عجائب پرستی کے نتائج فلسفہ و منطق کے ذریعہ لا مذہبیت کی طرف مائل کر رہے ہیں۔ تنگ نظریاں۔ باہمی نفرتیں اور غلط تاریخیں روحانیت کو رسوم ثابت کر کے بدنام کر رہی ہیں۔ لہذا ضرورت ہے کہ کٹ حجتی اور عجائب پرستی کے خس و خاشاک کو دور کیا جائے۔ اور بجائے اپنی ذاتی رائے کے ان صاحبان کا اصول و معیار سمجھ لینے کے بعد نتیجہ نکالنا چاہیئے اوہام و شکوک کا دروازہ بند کر دینے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ آفتاب آمد دلیل آفتاب مشک اگر عطار کا محتاج ہے تو اُسے خالص نہیں سمجھا جا سکتا۔ روضۂ تاج محل کے حسن و خوبی کو مصور کے احسان سے بے نیاز ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ایک ولی یا بزرگ کی سیرت خود اپنی تشریح ہے۔ سوانح نگار کو حق نہیں

Marfat.com

کر اپنے نقطۂ نگاہ سے اس میں رنگ بھرے اور اپنے معیار کے مطابق پیش کرے۔ جہاں یہ ہے کہ اُن حضرات کو اُن کے اصلی رنگ رُوپ میں دکھایا جائے۔ وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اُن کے ماحول اور اُن کے عہد کے حالات و خیالات سے بھی واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ تاکہ ان کے اصول و تعلیم کو اچھی طرح سمجھا جا سکے۔ نئے مؤرخین اور مستشرقین کی طرح ظاہری اور محدود علم سے ان حضرات کی شخصیتوں کی وضاحت نہیں ہو سکتی۔ بزرگانِ دین کے متعدد سوانح شائع ہوئے ہیں، اور ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کو معیاری نہیں کہا جا سکتا۔ حضراتِ چشت کے جملہ ملفوظات میں سلطان المشائخ کے ملفوظات فوائد الفواد[1] اور اور سیر الاولیاء[2] کو صحیح و مستند مانا جاتا ہے اور خصوصًا فوائد الفواد کو اس لیے کہ جامع ملفوظات کی استدعا پر خود سلطان المشائخ نے اُس پر نظر ثانی فرمائی تھی۔ اس احتیاط کے باوجود ان ملفوظات کے مختلف نسخے خلل و اختلاف سے پاک نہیں ہیں۔ اور اُن میں بھی تصرف ہو گیا ہے۔ پھر ان ملفوظات میں خواہ وہ کتنے ہی معتبر و مستند ہوں پوری زندگی کے حالات منضبط نہیں ہیں۔ بلکہ بر سبیل تذکرہ جستہ جستہ اشارات ہیں۔ لہٰذا کسی بزرگ کے حالات و سوانح لکھنے میں اُن سے پوری مدد بھی

---

[1] تکمیل تالیف فوائد الفواد ۷۲۲ھ / ۱۳۲۲ء

[2] تصنیف سیر الاولیاء ۸۰۰ھ / ۱۳۹۹ء

Marfat.com

نہیں ملتی۔ انہیں اُمور کو مدِنظر رکھ کر میں نے خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین چشتی رحمہ کے سوانح لکھے تھے جو کراچی سے شائع ہوئے تھے اور کتابت کی غلطیوں کے باوجود اچھی نگاہ سے دیکھے گئے اور مقبول ہوئے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے متعلق کثرت سے کتابیں چھپ چکی ہیں۔ لیکن ان میں خالص طور پر اُن کی تعلیمات و خصوصیات کی توضیح نہیں ہے۔ اب میں یہ سوانح پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ کوشش یہی ہے کہ آلائش کو دور کرکے بغیر رنگ آمیزی کے اصلی رنگ میں پیش کروں۔ مجھے اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کو اللہ بہتر جانتا ہے اور جو کوتاہیاں اس میں پائی جائیں، ان کے لیے حق تعالیٰ سے، صاحب بیرت سے، اور سخن فہم حضرات سے مُعافی کا ملتجی ہوں اور اہل نظر سے تصحیح کی اُمید بھی رکھتا ہوں:

گرچہ از نیکاں نیَم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

شیخوپور ضلع بدایوں
۵ر مارچ ۶۴ء

احقر
وحید احمد مسعود

53374

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوانح حضرت بابا فرید الدین گنجشکرؒ

۱

بیعت

روایت ہے کہ مولانا منہاج الدین ترمذیؒ کی مسجد میں قیام کے بعد جب خواجہ بختیار کاکی اوشیؒ ملتان سے دہلی کو روانہ ہوئے تو النافع پڑھنے والے طالب علم نے دو منزل تک مشایعت کر کے درخواست کی کہ اپنی خدمت کے لیے ساتھ لے چلیں۔ مگر اس کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا گیا کہ فارغ التحصیل ہو کر ہمارے پاس آنا کیونکہ زاہد بے علم مسخرۂ شیطان کہلایا جاتا ہے۔

جس طرح یہ صحیح ہے کہ زاہد بے علم شیطان ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی غلط نہیں کہ عالم بے زہد بھی شیطان کے مسخرے سے

Marfat.com

کم نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ "علمے کہ راہ حق را نہ نماید جہالت است" پہلی نظر بتاتی ہے کہ یہ علم ہی تھا جس پر مغرور ہو کر عزازیل قعرِ مذلت میں گرا۔ جہاں یہ ہے کہ "بے علم نتواں خدارا شناخت" وہاں یہ بھی ہے کہ "العلم حجاب الاکبر"۔ علم جہاں صلاحیت پیدا کرتا ہے وہاں طغیانی و سرکشی بھی اسی سے وجود میں آتی ہے۔ بقول حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح "ہرچند علم پسندیدہ است وشغل او حمیدہ است العلم حجاب اللہ الاعظم می شنو ، ودرگزر تا بہ علم اللہ رسی و نوراللہ شتوی

از علم گذر باید - بر یار نظر باید
زاں نور اثر باید در دیدۂ انسانے"

جس طرح ہر شئے کے دو پہلو ہوتے ہیں اسی طرح علم کے بھی دو رخ ہیں۔ اچھائی برائی استعمال پر منحصر ہے۔ علم کو استعمال کرنے کے صحیح طریقے پہلے روز سے بتا دیئے گئے ہیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ اسلام اور عیسویت سے پہلے رومی و یونانی سلطنتوں میں ظاہری علم کی تکمیل کے بعد روحانی تعلیم دی جاتی تھی۔ اہرام مصری اسی کی شہادت دیتے ہیں کہ وہاں روحانیت کے آخری مدارج طے کیے جاتے تھے۔ قیصر و سکندر علم کی تصدیق کر لینے کے بعد بادشاہت کے اہل ہوئے تھے[1] علم مفید نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا عملی تجربہ نہ کر لیا جائے

---

[1] SECRET PATH مصنفہ پال برنٹان

Marfat.com

صحیح علم کی تحصیل کے سلسلہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا بیان
وقیع ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد جب نظام اسلامی میں بہت کچھ
برہمی پیدا ہوئی تو صوفیائے اسلام نے بھی اسی طریقہ کی پیروی میں جگہ جگہ
خانقاہیں قائم کی تھیں۔ یہ خانقاہ بھی اسی نمونے کی نقل تھی جسے سرکارِ
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قائم کیا تھا۔ صوفیائے کرام
جن لوگوں میں اچھی استعداد پاتے تھے ان کو بیرونی دنیا کے گندے ماحول
سے نکال کر خانقاہ میں رکھتے تھے اور وہاں اعلیٰ درجہ کی تربیت دیکر
انہیں اس کام کے لیے تیار کرتے تھے جس کے لیے مرشد اعظم صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو طیار کیا کرتے تھے[1]۔ اس کے
علاوہ علم کی عملی تصدیق کے مختلف اصولوں کا موازنہ کرنے سے نتیجہ
یہی نکلتا ہے کہ اسلام کا طریقہ سہل الحصول اور آسان ہے۔ جب
دماغ کے ساتھ قلب کا تجلیہ ہو جاتا ہے تو صلاحیت پیدا ہو جاتی
ہے۔ اس معیار کے تحت انابت الٰہی رکھنے والوں کی صحبت و خدمت
ضروری ہے۔ حضرت اکبر الہ آبادی نے یہی بات لطف کے ساتھ کہی ہے

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں

ان کی پیروی و رفاقت سے علم کے گرد و غبار دھل جاتے ہیں
ان کے طرز تقویٰ کی پیروی علم کو علم بنا دیتی ہے۔ صوفیہ نے ضرورت
زمانہ کے لحاظ سے ایک قدم آگے بڑھا کر بزرگانِ دین کی صحبت سے

---

[1] منقول از تنقیحات ص۱۳۵

مستفیض ہونے کے لیے مباحث کا اضافہ کر دیا ہے اور یہ اضافہ ہجرت نبوی کی تقلید ہے۔ ان ہی حقائق و مشاہدات کی بنا پر کہا گیا ہے کہ دماغ مدرسوں میں بنائے جاتے ہیں اور قلوب خانقاہوں میں ڈھالے جاتے ہیں۔ اس علمی و عملی دستور کا نام تصوف ہے اور تصوف کے دستور کے مطابق اس طریقہ کا آغاز بیعت و صحبت سے ہوا کرتا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ صحبت صالح آدمی کو انسان بنا دیتی ہے۔

حضرت خواجہ بختیار کاکی رح کے اس موقع پر اس ارشاد کے مفہوم کو کہ "زاہد بے علم مسخرۂ شیطان ہوتا ہے" سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بے علم کو مسخرۂ شیطان نہیں فرمایا۔ بلکہ زاہد بے علم کے متعلق کہا ہے۔ جہالت کی وجہ سے کتنی ہی تحقیر کی جائے لیکن بے علم اس لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے کہ وہ وساوس اور شکوک کا شکار نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کو اعتراض و تنقید کی عادت ہوتی ہے۔ وہ عقیدے میں راسخ ہوتا ہے اور صحبت نیک سے اس کی اصلاح جلد ہو جاتی ہے۔ اب رہا زاہد بے علم تو وہ اپنے زہد پر نازاں ہونے کی وجہ سے اکثر مسخرۂ شیطان بن جایا کرتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ زاہد بے علم کی اصلاح کر کے اس کو زاہد ذی علم بنایا جائے۔ طریق چشتیہ میں عام طور پر راہِ سلوک کے لیے "قدرے علم" لازمی و ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس اصول کی موجودگی میں النافع پڑھنے والا اگر منتہی نہیں ہوتا تو اس کو مبتدی بھی خیال نہیں کیا جا سکتا۔ بایں فضیلتِ علم اس کو جو تنبیہ فرمائی گئی اس کے خاص معنی ہیں۔ یعنی

Marfat.com

اس طالب علم کو اپنی مجذوبیت کی حقیقت نہیں معلوم تھی۔ اس کا جذبہ اس کے علم میں بارج تھا۔ اور خواجہ علیہ الرحمتہ نہیں چاہتے تھے کہ منظورِ نظر شخصیت جذبہ میں بہہ جائے۔ یہ تنبیہ اس لیے کی گئی تھی کہ ان صاحبزادے میں ہر منزلِ معراج اور ہر درجۂ کمال میں جذبہ و علم کا توازن رہے۔ اور دونوں میں سے کسی کے متعلق پندار نہ پیدا ہونے پائے۔ انہوں نے پہلی ہی نظر میں معائنہ کر لیا تھا کہ ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

لہٰذا وہ علم وجذبہ کے اعلیٰ مراتب طے کرا کے اپنے کسی خاص مقصد کے لیے اس طالب علم کو طیار کرنا چاہتے تھے۔ آخر صاف کیوں نہ کہدیا جائے کہ اپنا جانشین بنانا تھا اور اپنی خلافت دینا تھی۔ پہلی پہلی اٹھی نظر انتخاب کی!

مسجد کے قیام کے دوران میں خواجہ صاحب رح کی شفقت ومحبت سے ہمت پاکر طالب علم نے اُس انار کے دانے کی تاثیر کے متعلق استفسار کیا تھا جو حضرت جلال الدین تبریزی رح نے کچھ پہلے مرحمت فرمایا تھا۔ بتایا گیا کہ ہر انار میں ایک ہی دانہ نورانیت سے معمور ہوتا ہے[1]

---

[1] مضمون حدیث ہے کہ ہر انار میں ایک قطرہ آب جنت کا ہوتا ہے۔ اسی بنا پہ اہل جنت بجائے جُز کے کُل انار کھایا کرتے ہیں۔

اور اسی دانے سے تم نے روزے کا افطار کیا تھا۔ لہذا قلب منور ہوگیا یہ نکتہ سنتے ہی طالب علم نے سر نیاز قدموں پہ رکھ دیا۔

انار کا قصہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ جب حضرت ابوالقاسم شیخ جلال الدین تبریزی رح ملتان آئے تو وہاں کے اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے متعلق تجسس کیا۔ کسی نے ایک "قاضی بچہ" دیوانہ کا پتہ بتایا تو اس تصور کے ساتھ کہ "دلا دیوانہ شو دیوانگی ہم عالمے دارد" وہ اس سے جاکر ملے۔ شیخ نے ایک عدد انار پیش کیا۔ توڑ کر وہ انار حاضرین میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک دانہ جو زمین پر گر پڑا تھا وہ اٹھا کر رکھ لیا اور اس سے اپنے روزے کا افطار کیا۔ کھاتے ہی قلب میں روشنی پھیل گئی جس کی وجہ سے سخت حیرت ہوئی۔ وہ حیرت اس وقت دور ہوئی جب خواجہ قطب صاحب رح نے تشریح فرمائی۔

جس "قاضی بچہ" کو حضرت تبریزی نے انار دیا تھا اور جس پر النافع پڑھتے دیکھ کر حضرت بختیار کاکی نے توجہ فرمائی تھی۔ اسی کو اجل شیرازی نے "لنگر عالم" کا خطاب دیا تھا۔ اور شیخ سیف الدین باخرزی نے پیش گوئی کی تھی کہ "مشائخ روزگار سے ہوگا اور تمام عالم اس کے مریدوں اور فرزندوں سے بھر جائے گا۔" جس کو شیخ الشیوخ سہروردی رح نے اپنی کتاب عوارف المعارف کے چند جزو خود پڑھائے تھے۔ یہ وہی تھے جن کو خواجہ قطب صاحب رح "بابا" کہتے تھے۔ اور جن کو خواجہ اجمیری نے "شہباز" کہا تھا اور اپنے خانوادے کی

Marfat.com

شیخ بتایا تھا۔ اور آخر میں جن کو سلطان المشائخ بدایونی "شیخ کبیرؒ" کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔ اور ادب و تعظیم کے ساتھ جن کو مخدوم صابر کلیریؒ نے "شیخ" کہا تھا۔ یہ سُن کر کہ صابر نے شیخ کہہ دیا تو خود فرمایا کہ اب میں شیخ ہو گیا اور کیفیت طاری ہو گئی۔ یہی وہ ذات گرامی تھی جس کو دنیا نے فریدالحق فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے نام نامی سے پہچانا۔ اور اپنے سلسلہ کے موجد اور آدم ثانی کہلائے۔

النافع پڑھنے کے زمانہ میں اُن کی عُمر پندرہ ۔ اٹھارہ یا بائیس سال کی بتائی گئی ہے[1]۔ خواجہ قطب صاحبؒ خواجہ بزرگؒ کے ہمراہ ۵۸۶ھ میں ہندوستان تشریف لائے تھے[2]۔ لہذا النافع پڑھنے کا زمانہ ۵۸۶ھ سے پہلے کبھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ترائن کی جنگ ثانی میں رائے پتھورا اور اس کی حکومت کا خاتمہ ۵۸۸ھ میں ہُوا تھا۔ بعد میں جب قطب الدین ایبک نے دہلی و اجمیر کی تسخیر کر لی تو سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ۵۸۹ھ میں خواجہ بزرگؒ کی خدمت میں حاضری دی اور اسی سال دہلی کو دارالسلطنت بنا کر اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ پھر اسی سال حضرت سلطان الہند رحؒ نے خواجہ قطب صاحب کو اپنی نیابت عطا فرمائی۔ غرض و غایت نہیں معلوم مگر اسی سال نائب

---

[1] سیرالاولیا۔ جواہر فریدی۔ اخبارالاخیار

[2] بعض روایات کے مطابق خواجہ قطب صاحبؒ خواجہ بزرگ رحؒ کی تشریف آوری کے بعد اوش سے ہندوستان آئے تھے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو سوانح خواجہ معین الدین چشتی رحؒ مؤلفہ وحید احمد مسعود صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲۔

Marfat.com

کی حیثیت سے قطب صاحبؒ نے ملتان کا دورہ کیا۔ اس لیے ۵۸۹ھ میں عمر اور ملاقات دونوں کا تعین ہو جاتا ہے۔ لہذا عمر شریف بیس یا اکیس سال کی ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ حضرت والا کا سالِ ولادت ۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء مستند خیال کیا گیا ہے۔[1]

اسی دورۂ ملتان کے سلسلہ میں جتنی روایتیں معتبر راویوں نے حضرت بہاء الدین زکریا رح کے متعلق لکھی ہیں وہ سب فرضی اور غلط ہیں۔ اس لیے کہ حضرت زکریا رح اس سال ملتان میں قیام فرما نہیں تھے بلکہ بغرض تعلیم، سیاحت عراق، مصر اور ترکستان گئے ہوئے تھے۔ اور ان کی عمر اس وقت ۲۳ سال کی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی حیرت کی بات ہے کہ دونوں سلسلوں کے کسی تذکرے میں مذکور نہیں ہے کہ حضرت زکریا رح اور حضرت خواجہ بزرگ اجمیری رح کے درمیان میں کسی قسم کا رابطہ تھا۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت زکریا رح اور حضرت غریب نواز رح کے خلیفہ اعظم سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رح میں فقر و غناء کے مسئلہ پر مراسلت ہوئی تھی۔ تولی خاں کے محاصرۂ ملتان کے موقع پر حضرت خواجہ اجمیری رح کے دوسرے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ بختیار اوشی رح کی ملاقات حضرت زکریا رح سے بمعیت حضرت

---

[1] سیر الاولیا۔ جواہر فریدی۔ اخبار الاخیار۔ میں نے سال وصال کا صحیح تعین کرکے اسی سال ولادت کی تخریج کی ہے۔

Marfat.com

جلال تبریزیؒ بمقام ملتان ہوئی تھی۔ حضرت بابا صاحب رحؒ اور حضرت زکریا رحؒ کے درمیان برادرانہ و مخلصانہ تعلقات تھے۔ لیکن دورانِ سیاحت میں ان دونوں کی ملاقات کا ذکر نہیں ہے اور اگر ہے تو مشتبہ ہے۔ بہرحال حضرت قطب صاحبؒ کے دورۂ ملتان کی روایت سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت تبریزیؒ اسی سال یا اس سے کچھ پہلے پہلی مرتبہ ملتان آئے تھے۔

حضرت بابا صاحبؒ کی بیعت کے متعلق مولانا سہروردی رحؒ نے لکھا ہے کہ ملتان میں ہوئی تھی۔ صاحب صولت افغانی کی بھی یہی رائے ہے۔ مگر خواجہ حسن نظامی رحؒ دہلوی کو اصرار ہے، کہ بیعت دہلی میں ہوئی تھی۔ خواجہ حسن نظامی بیعت کی شکلی رسومات کو ضروری سمجھتے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ ملتان میں کوئی ظاہری رسم ادا نہیں ہوئی۔ لیکن رسومات کی ادائیگی بیعت کے لیے ضروری نہیں۔ رسومات فروعی ہوتے ہیں۔ ہر خاندان میں مختلف ہیں۔ اس کے علاوہ ہر زمانہ میں بدلتے بھی رہتے ہیں۔ بیعت دراصل مرشد کی محبت و توجہ۔ صحبت کی تاثیر اور مرید کی ارادت کو کہا جاتا ہے۔ یہ سب ضروری باتیں بدرجۂ اتم ملتان کی ملاقات میں موجود ہیں۔ چنانچہ مرید اعلان کرتا ہے کہ حضور کی کیمیا اثر نظر سے نفع کی امید

ہے" اب دونوں صاحبان کے لفظی اختلاف کو تضاد نہیں کہا جا سکتا۔ یہ متفق علیہ ہے کہ دہلی میں خلافت عطا کی گئی تھی۔ یہ ارشاد کہ "تم اپنا کام ختم کرکے آتے ہو۔" بیعت اور خلافت دونوں پر منطبق ہو سکتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ملتان کی ملاقات کے عرصہ کے بعد دہلی میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ لہٰذا اس موقع پر دہلی میں تجدید بیعت کی گئی ہوگی۔ اس صورت میں تجدید بیعت خود شہادت دیتی ہے کہ بیعت ملتان میں ہو چکی تھی۔ بہر حال حضرت تبریزی رح کے دائرۂ انوار نے جس کیفیت و جذبہ میں انقلاب پیدا کیا تھا۔ اُسی انقلاب کی تکمیل خواجہ قطب صاحب رح کی "کیمیا اثر نظر" سے ہوئی۔ اسی وجہ مختصر صحبت اور خلوصِ ارادت کی وجہ سے حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ پر ظاہری و باطنی راستے کھلے اور جب اُن پر گامزن ہوئے تو کامرانی و کامیابی نے قدم چومے۔

Marfat.com

۲

تربیّت و تعلیم

صنفِ نازک اپنی اس لاثانی خصوصیت پر کہ رب العزت نے اس کو اپنی شانِ خلّاقی و ربوبیّت کا مظہر بنایا ہے جس قدر بھی فخر کرے کم ہے۔ اس وصف میں کوئی مرد اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ماں کی آغوش میں بچّہ کو جو تربیت ملتی ہے اس کو انسانی تربیت کے جملہ ذرائع پر ترجیح حاصل ہے۔ اولاد کی تعلیم کا ذمہ دار باپ ہے۔ لیکن جنت ماں کے ہی قدموں کے نیچے ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اسلامی ہند کے چشتی معماروں اور بانیوں میں خواجہ قطب صاحب رح حضرت بابا صاحب رح اور نظام اولیاء بدایونی رح کی تعلیم و تربیت ماں ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ ان مخدرات کی فراست۔ قابلیت اور استقامت اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت بابا صاحب رح نے ظاہری و باطنی علوم

Marfat.com

کے گہوارے میں آنکھ کھولی تھی اور دربارِ الٰہی سے اُنہیں عالی فطرت ودیعت ہوئی تھی۔ ابھی وہ بچہ ہی تھے کہ ان کے والد ماجد شیخ جمال الدین سلیمان رح نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ یہ حضرت نہ صرف ولیؒ کامل تھے بلکہ مستند عالم بھی تھے۔ ان کی اہلیہ بھی عبادت و زہد میں کمال رکھتی تھیں اور رابعۂ عصر مشہور تھیں۔ اُنہیں کے سایہ عاطفت میں حضرت بابا صاحب رح کی تربیت و تعلیم ہوئی۔ جس طرح اُنہوں نے اپنے صاحبزادے کو اپنی راہ پر لگایا اس پر علم نفسیات کے ہزاروں اصول قربان کیے جا سکتے ہیں۔ وہ جانتی تھیں کہ صاحبزادے کو شیرینی سے رغبت ہے۔ اُنہوں نے اسی کمزوری کو دینی تربیت کا ذریعہ بنا لیا۔ گلے گلے اُتار دی کہ نماز پڑھنے والے کو اللہ کی طرف سے انعام ملا کرتا ہے۔ چنانچہ ہر نماز کے بعد مصلّے کے نیچے سے شکر کی پڑیا نکلنے لگی۔ جب یہ سمجھ لیا کہ ذوقِ عبادت پختہ ہو گیا تو جانماز کے نیچے شکر رکھنا بند کر دی۔ مگر قدرت سے انعام پھر بھی ملتا رہا۔ گویا حیلہ اور عبادت دونوں مقبول تھے۔

سال ولادت ۵۶۹ھ ہے۔ چوتھے پانچویں سال تعلیم کی ابتدا ہوئی۔ کوٹھوال[2] کے مکتب میں انہیں بٹھا دیا گیا (۵۷۴ھ/۱۱۷۸ء)۔ سید

---

[1] سیر الاولیاء۔ [2] کوٹھوال اب مشائخ کی چاؤلی کے نام سے مشہور ہے پاکپتن و نہارلی کے وسط میں واقع ہے۔

Marfat.com

نذیر احمد صاحب مدارِیہ اس مکتب کے معلّم و نگران تھے۔ صاحب علم و فضل ہونے کے علاوہ بچوں کو تعلیم دینے میں انہیں خاص دستگاہ تھی۔ اسی مکتب میں بعمر گیارہ سال قرآن پاک بھی حفظ کر لیا تھا۔ (۵۸۰ھ) اگر حفظ قرآن کی یہ روایت صحیح ہے اور ضرور صحیح ہے تو خیرالمجالس۔ سیرالاولیا۔ سیرالعارفین۔ گلزار ابرار۔ سیرالاقطاب اور روضۃ الاقطاب کے بیان کو کہ گیارہ سال کی عمر میں قرآن پاک تمام ملتان حفظ کیا تھا؛ باور نہیں کیا جا سکتا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ غزنی کے مُنقری جن کا نام محمّد تھا۔ ان کے استاد تھے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ جس نے اُن سے ایک سورۃ پڑھی وہ حافظ قرآن ہو گیا۔ غالباً وہ سورۃ یوسف ہو گی۔ اس لیے کہ بابا صاحب رح اپنے مریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ سورۃ یوسف یاد کر لینے سے قرآن باسانی حفظ ہو جاتا ہے۔ بہرحال اغلب یہی ہے کہ ان منقری صاحب کو کھوال ہی میں قرآن شریف حفظ کیا تھا۔ پھر اس کے بعد ملتان گئے۔ اگرچہ ظاہری تذکرے خاموش ہیں، مگر کشفی تذکرہ "اسرارِ حضرت فریدیہ"[1] میں مذکور ہے کہ قرآن حفظ کر لینے کے بعد بعمر گیارہ سال والدہ صاحبہ کے ساتھ حج کو گئے تھے اور اصرار کر کے اپنے اُستاد

---

[1] مرتبہ حضرت بادشاہ دو جہاں صاحبزادہ محمد حسن صاحب فریدی ہاشمی حنفی اجودھنی۔ میرے پاس اس نسخے کے چند بوسیدہ جز موجود ہیں۔

سید نذیر احمد کو بھی اپنے ہمراہ لیا تھا۔ اگر کشفی تذکرے کے اس بیان کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ کھوڑاں سے بغرض تعلیم فوراً تشریف لے گئے۔ ملتان میں تعلیم کی مدت چار سال کی ہے۔ لہذا یہ مدت ۵۸۵ھ میں ختم ہو جانا چاہیئے۔ مگر چونکہ حضرت بختیار کاکیؒ سے ملاقات ۵۸۹ھ میں ہوئی ہے۔ لہذا کھوڑاں اور ملتان کی تعلیم کے درمیان وقفہ ضروری ہے۔ اور یہ وقفہ خلل تین چار سال کا ہے۔ غالباً سیاسی حالات۔ نئی کیفیت کا مسلط ہو جانا یا سفرِ حج اس خلل کے اسباب ہو سکتے ہیں۔ بہر حال نتیجہ یہ ضرور نکلتا ہے کہ حفظِ قرآن بعمر گیارہ سال کھوڑاں میں ہی کیا تھا۔ اس کے بعد حج کو تشریف لے گئے تھے۔ ملتان میں سید احمد صاحب مدظلہ سے تعلیم پائی تھی۔ یہاں ان چار برس میں درس کے ساتھ ریاضت بھی ہوتی رہی اور انعام میں بجائے شکر کے ایک لذیذ کیفیت وحلاوت حاصل ہونے لگی۔ جس کی وجہ سے امتیاز حاصل ہوا اور ملتان میں مشہور و محبوب ہو گئے۔ اسی جذبہ و کیفیت کو حضرت تبریزی نے ملاحظہ کیا تھا۔ پھر خواجہ بختیار کاکی نے بیعت سے مشرف فرمایا تھا۔

وجدانیت کا نتیجہ یہ تھا کہ تعلیم پر دل نہیں لگتا تھا۔ طبیعت کا رجحان گوشۂ خلوت کی جانب تھا۔ یا پھر بادیہ پیمائی کی طرف۔ اسی کو معائنہ کر کے حضرت شیخ نے تکمیل تعلیم کی تاکید فرمائی تھی۔ چنانچہ مزید تعلیم کے لیے قندھار جانا ضروری سمجھا۔ یہاں حضرت سید احمد

Marfat.com

بخاری علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ ان سے ۵۹۳ھ تک پانچ سال استفادہ کیا اور تعلیم کی تکمیل کی۔ اس عرصہ میں والدہ صاحبہ کی زیارت کے لیے کھوتوال آتے جاتے رہتے تھے۔ والدہ صاحبہ برابر ان کی ہمت افزائی کرتی تھیں۔ بخاری صاحب نے اپنا سارا علم کچھ اس طرح گھول کر پلا یا تھا کہ اس کا ذائقہ عمر کے کسی حصہ میں بھی نہیں بھولے اور تمام عمر عقیدت و احترام کے ساتھ ان کے احسانوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ان ہی کی تعلیم کا اثر تھا کہ حضرت بابا صاحبؒ کے ارشادات و اقوال جامع و مانع، فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے وزنی اور ظرافت سے مملو ہوتے تھے۔ جب تمام عقلی و نقلی علوم میں کامل ہو گئے۔ فقہ و حدیث میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ اور اخلاق حسنہ طبیعت ثانیہ بن گئے تو سمجھے کہ مرشد کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ فارغ التحصیل ہونے کی مسرت، بجو د بنانے کے لیے کافی تھی ؛

Marfat.com

۴

سیاحت

۵۹۳ھ تا ۶۱۱ھ
۱۱۹۷ء ۱۲۱۵ء

بروایت معتبر حضرت بابا صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ آپ نے چالیس سال مجاہدات میں صرف فرمائے[1]۔ حالات و واقعات مظہر ہیں کہ ان مجاہدات میں سیاحت بھی شامل ہے۔ اگر سیاحت کو نظر انداز کر دیا جائے تو مجاہدات کے واقعات مبہم ہوکر رہ جائیں گے۔ تعلیم کے زمانہ میں جو ریاضتیں کی تھیں وہی بڑے بڑے مجاہدات کی بنیاد ٹھہریں۔ اور یہ مجاہدات سفر میں بھی کیے ہیں۔ بلکہ سفر خود مجاہدہ ہے۔ یہ سب ریاضتیں، سیاحتیں اور مجاہدات مل کر چالیس

---

[1] خیرالمجالس

Marfat.com

سال کی مدت کو پورا کر دیتے ہیں۔ سیاحت قبلِ حصولِ خلافت بھی کی تھی اور اس کے بعد بھی۔ مگر ان دونوں میں فرق ہے۔ پہلے والے سفر دہلی کے مقابلہ میں بعد والی سیاحت سخت اور اہم مجاہدات کا اظہار کرتی ہے۔ چلہ کشی کا مفہوم یہ بھی ہے کہ مضرات کا دفعیہ ہو۔ صحیح جذبہ کی تکمیل ہو اور ضبطِ نفس کا مدعا حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ خلافت بمقام دہلی ۶۱۲ھ میں عطا کی گئی تھی۔ پھر ۶۳۲ھ کے بعد اجودھن میں سکونت اختیار کی تھی۔ اس دوران میں زبردست جہاد کیا ہے۔ اس طرح پہلی سیاحت کی مدت اُنیس ۱۹ سال ٹھہرتی ہے اور دوسری سیاحت جو ہندوستان میں کی گئی وہ اکیس سال کی ہے۔ ۶۳۵ھ اگر سیاحت کا آخری سال ہے تو آغاز سیاحت کا سال تقریباً ۵۹۴ھ ہے۔ اور یہ وہ سال ہے جبکہ قندھار سے فارغ التحصیل ہو کر وطن تشریف لائے تھے۔ اس طرح مجاہدات کی مدت پورے چالیس سال کی ہو جاتی ہے

نورِ نظر کی قندھار سے کامیاب واپسی پر حضرت کی والدہ صاحبہ کی مسرت اس کاشتکار کی مانند تھی جس کا ثمرۂ محنت خرمن کی شکل میں اس کے سامنے رکھا ہو۔ کون قیاس کر سکتا ہے کہ ہونہار بروا کی برومندی پر شکریہ کے کتنے سجدے کیے۔ کتنے نفل پڑھے۔ کتنے صدقے دیئے کتنی خیرات کی اور پیار کی نظروں سے دیکھ کر کتنی پرخلوص دُعائیں دیں۔ والدہ صاحبہ کی خوشی پر صاحبزادہ صاحب کی خوشی ایک نئی نوعیت رکھتی۔ ان کے دل میں بے اختیار یہ تمنا پیدا ہوئی کہ دہلی

Marfat.com

پہنچ کر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری دیں۔ خوشخبری سُنائیں اور اُن کی بھی دُعائیں اور برکتیں حاصل کریں۔ لیکن ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال۔ تمناؤں کا پورا ہونا کسی کے اپنے اختیار میں نہیں۔ رفتہ رفتہ سمجھایا گیا کہ باکمال مرشدوں کی نظروں میں علم اسی وقت علم ہے جبکہ وہ عمل بنا لیا جائے۔ بغیر عمل کی تصدیق کے علم کسی کام کا نہیں ہوتا علم کی صحت و تندرستی یہ ہے کہ شکوک و شبہات ذبح ہو جائیں۔ یقین پیدا ہو اور شیطان کے فریبوں سے بچنے کا ملکہ ہو جائے۔ رضا الٰہی کو سمجھ لینا حاصلِ علم ہے۔ جو رازِ حقیقت سمجھ لیتا ہے وہ منطق و فلسفہ کی قیود سے بالاتر ہو جاتا ہے اور مشاہدے کے سامنے حیلہ و تاویل ہیچ ہو جاتے ہیں۔ کسی تاجر کا لڑکا علم تجارت میں کامل بھی ہو جائے لیکن اس وقت تک قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ عملی تجربہ حاصل کر کے کاروبار کو کامیابی کے ساتھ چلانے کی اہلیت پیدا نہ کرے۔ وہ ماہر بن کر نہ صرف اپنے مقام پر کاروبار کرتا ہے بلکہ مختلف شہر و دیار میں بھی اپنا مال لے کر جاتا ہے۔ منافع کے ساتھ فروخت کرتا ہے اور وہاں سے عمدہ سامان لا کر وطن میں اپنے کاروبار کو فروغ دیتا ہے۔ ایسی ہی فراست و تدبیر ایک عالم میں بھی ہونا چاہیئے تاکہ علم کو عملی شکل دے کر خود فائدہ اُٹھائے اور ابنائے جنس کو مستفیض کرے والدہ صاحبہ کی یہ نصیحتیں دل کو لگ گئیں اور صاحبزادہ صاحب نے متقین اور صالحین کی خدمت کے ذریعہ علم کو عملی شکل میں منتقل کرنے کا تہیہ کر لیا

Marfat.com

جس طرح آفتابِ عالمتاب سے کل نظام شمسی مستنیر ہوتا ہے اسی طرح آفتابِ رسالت سے حلقہ بگوشان اسلام نور کا اکتساب کیا کرتے تھے۔ صحبتِ رسولؐ کی وجہ سے حضرات صحابہؓ عالموں اور فاضلوں کے معلم و ہادی بن گئے تھے۔ ابھی تک آفتاب رسالت کے گرد پروانہ وار جمع ہونا ہی کافی تھا۔ لیکن بعد میں جب مختلف مرکز بن گئے تو اخلاق و شریعت کی تعلیم کے لیے ان مرکزوں پر جانا ضروری ہو گیا۔ پھر عہد عباسی میں کچھ ایسا ہوا کہ بزرگان دین نے دوردراز گوشوں میں اقامت اختیار کی اور خانقاہیں بنالیں تو سیاحت ناگزیر ہو گئی اور تشنگانِ حقیقت ان روحانی چشموں پر پہنچ کر سیراب ہونے لگے۔ صوفیوں کی سیاحت در اصل ہجرت نبوی کا اتباع ہے اور اس کے فوائد معروف ہیں۔ وطن پرستی کا شرک دور ہوتا ہے۔ وسیع النظری حاصل ہوتی ہے۔ مخلوقِ خدا سے انس و محبت رکھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مختلف دستور و آئین، عادات و رسوم۔ قوموں اور ملکوں کی حیات و ممات کی سرگزشت۔ فطرت اللہ اور فطرت انسانی کے مطالعہ سے علم و تجربہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور جملہ اشیاء میں صفاتِ الٰہی کا ملاحظہ کر کے سبق حاصل کیا جاتا ہے اس کے علاوہ خود اپنی اصلاح اپنے دل کی سیر و ترقی بھی سیاحت کا مقصود ہوتی ہے اور تبلیغ کے نئے نئے ذرائع سمجھ میں آسکتے ہیں۔

Marfat.com

عام طور پر علماء و صلحاء سفرنامے لکھنے کے عادی نہیں تھے۔ اگر جملہ مشاہدات و تجربات قلمبند کر لیے جاتے تو آج دنیا کا نقشہ دگرگوں ہوتا۔ البتہ ان حضرات نے بر سبیل تذکرہ پند و نصائح کے سلسلہ میں جستہ جستہ معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ ان صاحبان کے ملفوظات اور تذکروں کو ان کے سوانح حیات کی مسلسل و مکمل تاریخ کسی نوعیت سے نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت باباصاحب علیہ الرحمۃ نے بھی اسی دستور کی تقلید کی۔ کہا تو یہ جاتا ہے کہ رُبع سکون کی سیر فرمائی تھی۔ روم۔ مصر۔ شام و ترکستان کا سفر کیا تھا اور چین سے لے کر بحیرۂ روم تک کا چپہ چپہ دیکھا تھا۔ لیکن تذکرہ میں جن مقامات و بزرگان دین کا کیا ہے وہ چند ہیں۔ جس طرح دوسروں کو دیکھا ہے اور اپنے آپ کو دکھایا ہے اسی کے حالات مختصر طور پر ملفوظات میں محفوظ ہیں۔ بایں ہمہ مختصر معلومات کی یہ پونجی اہل نظر کی نگاہ میں تو خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ تاریخ کو مدنظر رکھ کر بربنائے قیاس بہترین سفرنامہ اُنہی سے تیار کیا جا سکتا ہے اور اس زمانہ کی تہذیب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پہلے سفر کی انیسؔ سال کی مدت میں جن مقامات کا ذکر کیا ہے وہ بلا ترتیب حسب ذیل ہیں۔ اُس زمانہ میں ہندوستان سے بغداد جانے کا راستہ براہ بخارا تھا۔

۱۔ بغداد | شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کی خدمت

میں حاضری دی۔ اور کچھ عرصہ ان کے یہاں قیام کیا۔ شیخ نے اپنی کتاب عوارف المعارف کا کچھ حصہ خود پڑھایا اور اس کے مطالب ذہن نشین کیے[1] شیخ کی خانقاہ میں فتوحات کی کثرت تھی وُہ سب روز کی روز صرف کر دی جاتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دولت جمع کی جاتے تو لوگ کہیں گے کہ درویش مالدار ہے۔ حالانکہ درویشی کے معنی خود فروشی کے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس پر ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے اور حیرت و دہشت کے مقام میں جگہ دیتا ہے۔ عظمت و بزرگی کا یہی مقام ہے۔ اس مقام میں پہنچ کر بندہ اللہ کی حفظ و حمایت میں آجاتا ہے۔

شیخ جلال الدین تبریزی نے اپنے مرشد کی وفات کے بعد حضرت شیخ الشیوخ کی بے حد خدمت کی تھی۔ بغداد میں سر پر چولھا رکھے ہوئے جا رہے تھے اور اس پر پانی گرم کرنے کی دیگچی رکھی تھی۔ لوگوں نے دریافت کیا تو بتایا کہ حج کو جا رہے ہیں۔ اس طرح شیخ الشیوخ کی پچیس سال خدمت کی[2] اسی خدمت سے

---

[1] ایک روایت ہے کہ عوارف المعارف اسی وقت دی تھی۔ دوسری روایت ہے کہ بعد کو کسی کی معرفت بھیجی تھی جو ہانسی میں وصول ہوئی یا اجودھن میں۔

[2] اسرار الاولیاء۔

فارغ ہوکر شیخ تبریزی تنہا ملتان آئے تھے اور حضرت باباصاحبؒ کو اتار دیا تھا۔

ایک مرتبہ شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ بہاء الدین سہروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ برہان الدین سیوستانی شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتنے میں شیخ بہاء الدین سہروردی کے فرزند نے شیخ الشیوخ سے خرقہ کی درخواست کی۔ فرمایا۔ آج معاف کرو کل آنا۔ دوسرے دن جب حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا۔ رات خرقہ پوش کا حشر تم نے خواب میں دیکھ لیا کہ پیروں مرید کو فرشتے دوزخ میں لیے جارہے تھے۔ اس لیے کہ وہ خرقہ کے نام سے دنیا کمایا کرتے تھے۔ پھر ارشاد کیا کہ جب تک انسان دنیوی آلائش سے صاف نہ ہو نہ اسے خرقہ دینا چاہیئے اور نہ اسے پہننا چاہیئے۔[1]

ایک مرتبہ بغداد کے سفر میں مسجد کنیف میں شیخ اوحد الدین کرمانی (متوفی ۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء) کے پاس متعدد عزیز حاضر تھے۔ مسئلہ یہ پیش تھا کہ لوگوں کی شکل وصورت۔ طبیعت۔ اوضاع اور اطوار مختلف کیوں ہوتے ہیں۔ حضرت کرمانی نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کا سوال کیا تھا تو جواب مرحمت فرمایا تھا کہ حق سبحانہٗ نے آدم علیہ السلام

---

[1] اسرار الاولیا۔

Marfat.com

کے مختلف اعضاء مختلف زمینوں کی مٹی سے بنائے تھے۔ اسی واسطے ان کے فرزندوں میں فرق و اختلاف ہے[۱]

بغداد کے باہر ایک غار میں ایک سوکھے ساکھے درویش کو دیکھا ان کی حالت کے متعلق دل میں فکر ہوئی تو انہوں نے خود بخود کہا کہ چالیس برس سے اسی غار میں گھاس پھوس پر گزر ہے اور ذکر الٰہی میں محو ہوں۔ ذکر الٰہی سے بڑھ کر کوئی اور نعمت نہیں[۲]

سیوستان (سیستان) شیخ اوحدالدین کرمانیؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ بغلگیر ہونے کے بعد فرمایا "زہے سعادت کہ تم ہمارے پاس آئے۔" چند اور درویش بیٹھے ہوئے تھے ان کی فرمائش پر ہر صاحب نے اپنی اپنی کرامت دکھائی[۳] سب سے پہلے خود حضرت کرمانی نے اپنی کرامت دکھانے کے طور پر کہا کہ یہاں کا حاکم مجھے پریشان کیا کرتا ہے۔ آج وہ چوگان بازی کے لیے گیا ہے۔ اللہ ہی ہے جو صحیح سلامت واپس آئے۔ ابھی یہ

---

۱ فوائد الفواد۔ ۲ راحت القلوب

۳ یہ قطب الدین التبریزی کے خلیفہ تھے۔ حضرت ابن عربی سے خاص تعلقات رکھتے تھے۔ فتوحات مکیہ میں ان کا مذکور ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت کرمانی کو کرامت دکھانے اور دیکھنے کا شوق تھا۔ خواجہ غریب نوازؒ کی ملاقات کے وقت بھی حاضرین سے کرامت دکھانے کی فرمائش کی تھی۔

Marfat.com

بات ختم نہ ہوئی تھی کہ کسی نے خبر سنائی کہ وہ گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اب مجھے حکم دیا تو میں نے عرض کیا کہ سب صاحبان اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھ بند کرتے ہی ہم سب غار کعبہ میں تھے آنکھیں کھولنے پر ہم سب اپنی اپنی جگہ پر موجود تھے۔ بقیہ درویشوں نے اپنے کمال کا یوں اظہار کیا کہ اپنے اپنے خرقے اپنے اوپر ڈال لیے۔ بعد میں دیکھا تو وہ سب غائب تھے۔ خالی خرقے پڑے رہ گئے تھے۔ [1]

ایک دن حضرت محمد سیوستانی کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک شخص کو آپ نے دیکھ کر فرمایا حاجتمند آ رہا ہے۔ اس نے حاضر ہو کر اولاد کی دعا چاہی۔ چنانچہ بتایا کہ "رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ" پڑھا کرو۔ پھر فضل الٰہی سے اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ اس لڑکے کو سجادہ دیا گیا اور اس نے ستر حج کئے۔

اسی جگہ ایک اور بزرگ کی خدمت میں جانا ہوا۔ وہ کثرت ذکر کی وجہ سے عالم سُکر میں تھے۔ ہوش میں آکر بتایا کہ اس شغل سے سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ بدخشاں	شہر کے باہر غار میں شیخ عبدالواحد قیام پذیر تھے اور یہ حضرت ذوالنون مصری رح (متوفی ۲۴۵ھ)

[1] افضل الفوائد

Marfat.com

کے مرید تھے۔ چند دن ان کی صحبت میں رہنا ہوا۔ وہ ایک پاؤں پر عالمِ تحیّر میں ایستادہ تھے۔ تیسرے دن ہوش میں آئے تو فرمایا: "اے فرید! میرے قریب نہ آنا جل جائے گا اور مجھ سے دُور بھی نہ رہنا کہ جادو کا اثر ہو جائے گا" پھر اپنی داستان سنائی کہ ستّر سال سے اسی جگہ ہوں۔ ایک عورت کو دیکھ کر باہر جانے کا ارادہ کیا تھا کہ آواز آئی۔ محبت کا دعویٰ تو ہم سے تھا۔ میں نے فوراً اپنی ٹانگ کاٹ کر پھینک دی۔ اب تیس سال سے حیرت میں ہوں کہ قیامت میں کس طرح منہ دکھاؤں گا۔ رات کو غیب سے کھانے کے لیے دودھ اور کھجوریں ایک تھال میں آجاتی تھیں اور ہم دونوں کھا کر محوِ تحیّر ہو جاتے تھے[۱]

۴۔ چشت | شیخ یوسف چشتی رح (متوفی ۴۵۵ھ) کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ایک صوفی نے تعبیر دریافت کی کہ خواب میں دیکھا ہے کہ میری موت قریب ہے۔ فرمایا۔ تم سے صبح کی نماز فوت ہو گئی تھی۔ ورد کا فوت ہو جانا موت کے ہم معنی ہے۔ جب دن کا وظیفہ ترک ہو جائے تو اسی دن رات کو

---

[۱] یہی داستان حضرت جنید بغدادی رح کے پوتے کے نام سے حضرت غریب نواز کے سفرنامہ میں موجود ہے۔

Marfat.com

پورا کر لینا چاہیے۔[1]

۵۔ دمشق | ایک بزرگ شہاب الدین زندوسی تھے۔ ان کو کسی نے اطلاع دی کہ ان کا مرید اہل دنیا سے میل جول رکھتا ہے۔ مرید کو بُلا کر گدڑی چھین لی اور نکال دیا کہ صوف (خرقہ) کے لائق نہیں۔

۶۔ نیشاپور | جب مغلوں نے نیشاپور پر حملہ کیا تو حاکم شہر نے حضرت فریدالدین عطار رح (۵۱۷/۶۲۶ھ) سے دُعا کی استدعا کی۔ فرمایا۔ دُعا کا وقت گزر گیا۔ اب تقدیر پر شاکر رہ کر بلائے الٰہی کے لیے طیار رہو۔[2]

۷۔ لاہور | یہاں ایک ذاکر بزرگ پر محویت طاری رہتی تھی۔ تشریح یوں فرمائی کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ جب میری یاد مومن بندے پر غالب آجاتی ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں لہٰذا ضروری ہے کہ ہر وقت یادِ خدا میں محو و مشغول رہا جائے۔

۸۔ غزنین | چند درویشوں کے ساتھ یاد الٰہی میں رات گزاری۔ ان میں سے ایک درویش مرض اسہال میں مبتلا تھا۔ ہر قضائے حاجت

---

[1] یہ روایت فوائد الفواد کی ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ کی ملاقات حضرت یوسف چشتی سے ممکن نہیں۔ اس لیے کہ بہت پہلے ان کا وصال ہو چکا تھا۔ [2] فوائد الفواد

Marfat.com

کے بعد غسل کرتا تھا۔ ایک سو بیس رکعتیں پڑھنے کے لیے ساٹھ مرتبہ غسل کیا۔ آخری مرتبہ جو غسل کیا تو جاں بحق ہو گیا۔

ایک غار میں ایک خداترس یادِ الٰہی میں مشغول تھا۔ اور تیس سال سے وہاں مقیم تھا۔ عالمِ غیب سے خوراک ملتی تھی۔ لیکن جب کبھی نہیں ملتی تھی تو بھی شکر ادا کرتا تھا۔ ایک دن ہم دونوں نے نماز پڑھی۔ خیال آیا کہ روزے کا افطار کس طرح ہوگا۔ کھجور کا درخت قریب میں تھا۔ ہلایا تو دس کھجوریں گر پڑیں۔ پانچ مجھے دیں اور پانچ خود کھائیں۔ پھر پاؤں زمین پر مارا تو پانی نکل آیا۔ اور ہم نے پیا۔ وقتِ وداع مصلّے کے نیچے سے نکال کر مجھے اشرفیاں دیں۔[1]

۹۔ شام

ایک بزرگ کے یہاں حاضری دی۔ ایک اور بزرگ نے ان بزرگ سے دریافت کیا کہ اپنے ایک مرید کو خرقہ دینا چاہتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ جواب دینے کے بجائے انہوں نے کچھ اور بات شروع کر دی۔ اظہارِ ناطبیت کے طور پر اُمیدوارِ خرقہ نے وعظ دے کر بحث کی تمہید اٹھائی۔ اب اس درویش نے کہا۔ یہ اس قابل نہیں کہ خرقہ دیا جائے۔ پھر بتایا کہ خرقہ خرقہ پوش کی وجہ سے قابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ ورنہ بذاتِ خود بے معنی ہے[2]

---

۱ اسرار الاولیاء۔ اشرفیوں سے مراد زادِ راہ نہیں بلکہ روحانیت کا حصہ سمجھنا چاہئیے۔ ۲ اسرار الاولیاء

Marfat.com

۱۰۔ **بیت المقدس** حضرت باباصاحب رح نے یہاں چلہ کیا تھا۔ چلہ کی جگہ ابھی تک "زاویہ فریدالدین ہندی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق وقف بھی ہے اور زائرین بغیر کرایہ کے ان حجروں میں قیام کرتے ہیں۔[1]

۱۱۔ **بخارا** حضرت اجل شیرازی رح کے یہاں حاضری دی۔ دیکھتے ہی فرمایا۔ "بیا اے لنگر عالم۔ نیک آمدی۔" چند دن ان کی خدمت میں قیام رہا۔ ان کی خانقاہ سے کوئی شخص محروم نہیں جاتا تھا۔ کچھ نہ ہوتا تو سوکھا خرما دے کر دعا کرتے کہ اللہ رزق میں برکت دے۔ جس کو یہ دعا دیتے وہ زندگی بھر کسی کا محتاج نہ ہوتا۔ جب درویشوں کے متعلق گفتگو چلی تو حضرت جنید رح کا قول بیان کیا کہ فقیر کو اہل دنیا سے راہ و رسم رکھنا اور امیروں سے ملنا قطعی حرام ہے۔[2]

ایک روز بخارا کے ایک غار میں ایک بزرگ کو عبادت میں مصروف پایا۔ انہوں نے فرمایا "اے فرید میں ساٹھ سال سے یہاں رہتا ہوں۔ کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی جو مجھ پر بلا نازل نہ ہوتی ہو۔ اور جب بلا نازل نہیں ہوتی تو گریہ و زاری کرکے خود اس کے لیے استدعا کیا کرتا ہوں۔ جب مرضیٔ دوست آزمائش و بلا میں ہے تو میں کیوں نہ اس کی آرزو کروں۔ بلاؤں پر ثابت و صابر رہنا چاہیئے۔"

---

[1] سوانح بابا فرید مؤلفہ حضرت نامی لاہوری۔ [2] اسرار الاولیا

Marfat.com

آگے بڑھ کر ایک حجرے میں شمس العارفین رح کے ایک مرید سے ملاقات ہوئی۔ جو تیس سال سے معتکف تھے۔ فرمایا جبر دہشت طاری ہے۔ لیکن نجات رضائے دوست میں ہی ہے۔

پھر ایک اور ایسے ہی بزرگ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ حق سے یگانگی کی خاطر سب سے بیگانہ ہو جانا چاہیئے۔ رات کو عالم غیب سے لذیذ کھانا ملا۔ رات گزار کر صبح کو جو دیکھا تو وہ بزرگ غائب و لاپتہ تھے۔

واپسی پر بغداد سے بخارا پہنچ کر شیخ سیف الدین باخرزی فردوسیہ (متوفی ۶۵۹ھ / ۱۲۵۹ء) کے یہاں چند روز قیام کیا۔ دیکھتے ہی میرے متعلق فرمایا کہ مشائخ روزگار سے ہوگا۔ تمام جہان میں اس کے مرید و فرزند ہوں گے۔ پھر سیاہ گدڑی مرحمت فرمائی۔ ان کا دسترخوان وسیع تھا ایک شخص نے عرض کیا میرے پاس مال ہے مگر اس میں نقصان برابر ہو رہا ہے اور بیماریوں میں مبتلا ہوں۔ جواب دیا کہ دولت کا نقصان زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور بیماری صحت کی علامت ہے۔

۱۳۔ ملتان حضرت بابا صاحب رح بخارا سے ملتان آئے اور حضرت بہاء الدین زکریا رح سے ملاقات ہوئی۔ حضرت زکریا نے دریافت کیا کہ کہاں تک ترقی کر لی۔ جواب دیا کہ اگر آپ کی کرسی کو اشارہ کر دوں تو مع آپ کے ہوا میں اڑنے لگے۔ یہ کہنا تھا کہ کرسی نے بلند ہونا شروع کیا۔ تو حضرت زکریا رح ہاتھ سے دبا کر اسے

Marfat.com

پہنچے لے آئے۔ فرمایا "مولانا فرید۔ خوب ترقی کی ہے"۔[1]

سیاحت کے سلسلہ میں کسی تذکرہ نگار نے دو واقعات کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا ہے۔ یہ یقینی ہے کہ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ اور حاجی کہلاتے تھے۔ مگر خدا جانے اس کی عام طور پر کیوں روایت نہیں کی گئی۔ دوسرے یہ کہ ملتان پہنچ کر والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر ضرور ہوئے۔ اس حاضری کے کم و کیف کا نقشہ تصور میں جمایا جا سکتا ہے۔ پہنچتے ہی قدموں پر گر پڑے۔ والدہ صاحبہ نے اُٹھا کر سینہ سے لگا لیا۔ طرفین کی خوشی نے گریہ کی صورت اختیار کر لی۔ آخر کار تکان اور نقاہت ملاحظہ کر کے والدہ صاحبہ نے تسلی دی کہ سفر نمونۂ سقر ہوتا ہے۔ اس لیے مشقت و کمزوری ناقابل توجہ ہیں۔ پھر باطنی جائزہ لے کر فرمایا سفر وسیلۂ ظفر بھی ہے۔ الحمد للہ تمہیں ظفر و نصرت نصیب ہوئی جواب میں خاکساری و عجز کے ساتھ والدہ صاحبہ کی شفقتوں کا اعتراف زبان حال سے کیا۔ جب کچھ عرصہ قیام کر لیا تو والدہ صاحبہ نے فرمایا اب خدمت شیخ میں جانے کی اہلیت پیدا ہو گئی۔ لہٰذا تمہیں جانا چاہیئے۔ یہ حکم پا کر خوشی سے اُچھل پڑے اور قدموں پر سر رکھ دیا۔

[1] اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت زکریا ۲۷ سنہ ۶۱۱ھ یا اس سے کچھ قبل ملتان واپس آ گئے تھے اور سلاطین سے باوجود علم پیدا کر لی تھی۔ چنانچہ سنہ ۶۲۲ھ میں ان کی گفتگو جو قباچہ سے ہوئی تھی اہمیت رکھتی ہے جس کے بعد وہ قائل ہو گیا تھا۔ حضرت زکریا کا سال ولادت سنہ ۵۶۶ھ ہے اور رحلت سنہ ۶۶۱ھ میں ہوئی۔

Marfat.com

۴

نسب

دستور ہے کہ نامور ہستیوں کے نسب کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خون کی تاثیر وراثت میں پہنچتی ہے۔ نجابت و شرافت سے انکار ممکن نہیں۔ اعلیٰ ظرفی اعلیٰ نسبی کی دلیل ہے۔ مگر نسب محض ذاتی وصف اور امتیازی شناخت ہے۔ جعلنٰکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ لہٰذا محض نسب ہی کو تنہا شرف کا معیار نہیں سمجھا جا سکتا۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ سے کسی نے دریافت کیا تو اُنہوں نے اپنا نسب "اسلام" بتایا تھا درحقیقت معیارِ شرف تقویٰ ہے۔ یہ اسلامی معیار اپنی جامعیت کے لحاظ سے قومیت۔ وطنیت۔ رنگ اور کلچر پہ ہر طرح سے حاوی ہے قیدِ زمان و مکان سے بے نیاز ہے۔ اس لیے تمام جہان میں سب سے زیادہ وحدت و اتحاد کا حامی و مدعی ہے۔ نسب سے زیادہ

Marfat.com

مرتبہ "مواخاۃ" کو حاصل ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رشتۂ اخوت قائم کیا تھا وہ نسب سے زیادہ مضبوط ثابت ہوا۔ اس رشتہ میں آقا و غلام کی قید نہیں تھی۔ حد یہ ہے کہ مساوات کی خاطر آزاد اشراف اور پابند غلاموں میں شادی بیاہ کی رسم بھی جاری ہو گئی۔ کمال یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ جیسے معتبر و اشرف صحابہ حضرت اسامہ رضؓ بن زید کی سپہ سالاری میں مثل معمولی سپاہی کے تھے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ حضرت اسامہ رضؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام زادے اور غلام تھے۔ بایں ہمہ اگر ظاہر پرست نسب پر خاص توجہ فرماتے ہیں اور شجرے طیار کرتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن زیادہ تر نسب کی صحت مشکوک ہوتی ہے اور سلسلہ ملانے میں غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اپنے شجرہ میں عدنان سے اوپر کی کڑیوں کے متعلق خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "کذب النسابون" یعنی علماء نے ناموں کے تعین میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اب اگر صوفیہ کے شجروں کے متعلق غور کیا جائے تو یہ رجم بالغیب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ صوفیہ مجاہدات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ظاہری زندگی سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی گمنامی کی وجہ سے ان کے متعلق کسی قسم کی واقفیت بہم پہنچانے کا کسی کو وہم بھی نہیں آتا۔

Marfat.com

لیکن جب وہ مشہور ہو جاتے ہیں تو جملہ واقفیت بہم پہنچانے کی فکر کی جاتی ہے اور خوش عقیدگی میں ہر صحیح و غلط روایت قبول کر لی جاتی ہے۔ یہ حضرات اسم و رسم سے مستغنی ہونے کی وجہ سے اپنے خاندان و نسب کا خود اعلان نہیں کیا کرتے۔ اس لیے ان کے شجرے زیادہ تر محض قیاسی و روایتی ہوتے ہیں۔ جب ان کی تنقید کی جاتی ہے تو شجرہ بنانے والوں کی قلعی کھل جاتی ہے۔ ان حضرات کے نسب کے متعلق صرف اسی قدر کافی ہے جو اُن کے متعلق عام طور پہ مشہور ہو۔ حضراتِ صوفیہ کے یہاں بجائے نسب کے "نسبتِ سلسلہ" زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کا شجرۂ طریقت نہ صرف مستند ہے بلکہ ان کے یہاں اس کا روزانہ ورد بھی کیا جاتا ہے۔ لہذا اسی نسبت کی بنیاد پر ان کی صلاح و تقویٰ پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ سبق آموز اور باعث ہدایت ہو۔ مگر قیامت یہ ہے کہ یہ مخصوص اوصاف چھوڑ کر تذکرہ نویس ان کے نسب بیان کر کے ساری قابلیت خوارق و نوادر پر صرف کر دیتے ہیں۔ کرامات کا اولیاء سے سرزد ہونا لازمی ہے اور یہی کرامات بعض اوقات تبلیغ کا ذریعہ بھی ہوتی ہیں۔ مگر ان کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ وہ قابلِ مثال و سند نہیں ہوتیں۔

ان حضرات کے نسبی شجروں کو تیار کرنا کوہ کندن و کاہ برآوردن کے معنی رکھتا ہے۔ یہ بات اگر سب اولیاء کے لیے صحیح نہیں ہے

Marfat.com

تر زیادہ تر کے لیے صحیح ہے۔ اور منجملہ ان کے حضرت بابا صاحب رح کے متعلق تو یقینی صحیح ہے۔ ان کے مروّج و معروف شجرے خامیوں سے خالی نہیں۔ ان کوتاہیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ مگر حیرت ہے کہ کسی طرح صحت و اصلاح نہیں کی جاتی۔ حضرت والا کی ذات گرامی جامع الصفات ہے۔ وہ علمی فضیلت و روحانی مرتبت کے ساتھ شرافت و نجابت میں بھی ممتاز ہیں۔ خبر متواتر ہے کہ وہ فاروقی ہیں لیکن شجرہ لکھنے والوں کو شعور نہیں کہ حضرت فاروق اعظم رض سے صحیح طور پر سلسلہ ملا سکیں۔ حضرت باباصاحب رح کے دو شجرے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ ان میں اور بقیہ شجروں میں حضرت عبداللہ بن عمر رض کے صاحبزادے کا نام ناصر لکھا گیا ہے اور پوتے کا نام منصور بتایا گیا ہے۔ مگر ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) نے حضرت عبداللہ بن عمر رض کے صاحبزادوں کے نام جو لکھے ہیں۔ اس فہرست میں جناب ناصر کا نام نہیں ہے اور نہ اُن کے صاحبزادے ہونے کے متعلق کوئی معتبر سند ہے۔ پھر پوتوں میں بھی کوئی صاحب منصور نامی نہیں پائے جاتے۔ غالبًا اسی غلطی کا احساس کرکے بعضوں نے منصور کے بجائے سلمان کا نام درج کیا ہے۔ مگر یہ اصلاح بھی بے سند ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض کے صاحبزادوں کے نام حسب ذیل ہیں:-

عبداللہ۔ سالم۔ عاصم۔ حمزہ۔ بلال اور واقد۔ انہیں شجروں میں آگے بڑھ کر حضرت ابراہیم ادہم بلخی رح کا اسم گرامی اپنی طرف متوجہ کرتا

۲

ہے۔ ان کو بادشاہ بلخ لکھا گیا ہے۔ حالانکہ شاہانِ بلخ کی فہرست میں یہ نام کہیں نہیں دکھائی دیتا۔ حضرت ابراہیم بن ادہم کے زمانہ میں بلخ کا حکمران سامانی خاندان تھا۔ اور یہ خاندان ایرانی النسل ہے۔ بلخ کے بادشاہوں میں ادہم کا بھی نام درج نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیم بن ادہم رح کے دادا کا نام منصور بن یزید بن جابر عجلی ہے۔ اور عجلی قبیلہ بکر بن وائل کی شاخ سے تھا۔ سلہ یہ عجلی قبیلہ قریش سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا۔ لہٰذا حضرت ابراہیم ادہم رح کا سلسلہ حضرت فاروق اعظم رض سے کبھی ہرگز نہیں ملتا۔ ہندوستان میں جو حضرات اپنے آپ کو فاروقی کہتے ہیں ان کے شجروں میں ابراہیم کا نام شامل ضرور ہے۔ مگر ان کی کنیت ادہم نہیں ہے سلہ گویا اس طرح حضرت ابراہیم اور حضرت ادہم کے بادشاہِ بلخ اور فاروقی ہونے کا کسی تاریخ سے ثبوت نہیں ملتا سلہ اس

سلہ ابن اثیر و ابن خلکان

سلہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام یوسف کے زمانہ میں ابراہیم بن یوسف بن میمون بلخی فقہ و حدیث میں یکتائے روزگار تھے اور امیر بلخ ان کا معتقد بھی تھا۔ معلوم نہیں یہ عربی نژاد تھے یا نہیں اور ان کا سلسلہ مل سکتا ہے یا نہیں۔

سلہ محمد اکرم مؤلف اقتباس الانوار لکھتے ہیں کہ سیر الاقطاب نے زبانی (اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کے بعد حضرت بابا صاحبؒ کے اجداد میں فرخ شاہ کو بادشاہ کابل ظاہر کیا گیا ہے۔ عقل حیران ہے اور تاریخ ساکت ہے کہ یہ بزرگ سلطنت کابل کے تخت پر کس طرح بٹھا دیئے گئے۔ روایت ہے کہ فرخ شاہ والیٔ کابل کے بعد سلطنتِ کابل غزنی میں مُدغم ہو گئی تھی اور شاہانِ غزنی فرخ شاہ کی اولاد کا ادب و احترام کیا کرتے تھے۔ مگر روایت کا پہلا حصہ بے سرو پا ہے۔ تاریخ کا بیان ہے کہ غزنی والوں نے کابل کو کسی مسلمان فرمانروا سے فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہندو راجے سے حاصل کیا تھا۔ البیرونی نے لکھا ہے کہ اشوک کے زمانہ سے کابل میں ہندو کی حکومت تھی۔ راجا کا خاندان "شاہی" کے لقب سے مشہور تھا اس "شاہی خاندان" میں ساٹھ راجہ ہوئے۔ آخری راجہ لگاترمان تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شیخ الاسلام (بابا فرید گنج شکر) کا نسب جو سلطان ابراہیم ادہم سے ملایا وہ ثابت نہیں۔ البتہ یہ امر محقق ہے کہ وہ فاروقی ہیں اور حضرت ابراہیم ادہم کے بیٹے اسحٰق کے تو کوئی اولاد ہی نہ تھی۔ اس لیے شجرہ میں ابراہیم ادہم کی بجائے ابراہیم بن ناصر ہونا چاہیئے۔

سے کابل پر حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں سب سے پہلے ۶۶۲ء میں تاخت کی گئی تھی۔ اس وقت بارہ ہزار ہندو داخل اسلام ہوئے تھے۔ پھر تقریباً ۸۷۰ء میں یعقوب بن لیث صفاری نے کابل کو زیر کر کے بدھ مذہب کے ماننے والوں پر اسلام کی تبلیغ کی تھی۔

Marfat.com

جس کو برہمن وزیر نے معزول کر دیا تھا۔ یہ نویں صدی عیسوی کا ذکر ہے۔ سنہ ۹۵۰ء میں کابل راجا بھیم کے زیر فرمان تھا۔ اسی راجا کی پوتی رانی دِڈا کشمیر کی فرمانروا تھی۔ بھیم کے بعد کابل کے تخت کا وارث جے پال ہوا۔ البتگین نے کابل پر پہلی مرتبہ حملہ سنہ ۹۸۶ء میں کیا تھا۔ پھر سبکتگین نے جے پال سے کابل سنہ ۹۸۸ء میں فتح کیا اور جے پال شکست کھا کر پنجاب چلا گیا۔ بعد میں جے پال کو محمود غزنوی نے ۲۷ر نومبر سنہ ۱۰۰۱ء مطابق محرم سنہ ۳۹۲ھ میں گرفتار کر کے مقید کر لیا تھا۔ بہر حال جب سلطنت کابل عہد سبکتگین میں ہندو راجا سے فتح کی گئی تو کابل میں اس سے پہلے کسی نوعیت سے کسی مسلمان کی حکومت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا تخت کابل پر فرخ شاہ کا متمکن ہونا ایک ناقابلِ تصور حیستان ہے۔ شجرہ نویسوں نے غالباً لفظ شاہ سے دھوکا کھایا ہے۔ روحانی بادشاہوں کو دنیوی بادشاہ بنا کر اُنہوں نے اپنے دل کو خوش کیا۔ حالانکہ روحانی بادشاہوں کی اس سے بڑھ کر اور کوئی ذلت نہیں ہو سکتی۔ فرخ شاہ کے مورثوں میں کئی صاحب شاہ ہیں۔ منجملہ ان کے رلیمان شاہ بھی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ نام درویشوں کے ہیں نہ کہ بادشاہوں کے درویش فرخ شاہ کی چوتھی پشت میں شیخ شعیب کی شادی سلطان محمود غزنوی کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی[۱] اور یہ بھی بتایا

---

[۱] خزینۃ الاصفیا و دیگر تذکرے

Marfat.com

گیا ہے کہ غزنوی سلطنت کے زوال کے بعد حضرت شعیب کے والد شیخ احمد چنگیزی حملہ میں شہید ہوئے تھے[1] قرین قیاس یہ ہے کہ فرخ شاہ روحانی سلطنت کے بادشاہ تھے۔ شاہان غزنی ان سے اور ان کی اولاد سے نیاز و عقیدت رکھتے تھے۔ غزنی کے تاجدار حضرت بہاء الدین زکریا رہ کے اجداد کا بھی ادب و احترام کرتے تھے۔ اب اگر انہوں نے بر بنائے عقیدتمندی ملتان کے سہروردیوں کو جاگیر دی اور شیخ شعیب کی شادی محمود غزنوی نے اپنی ہمشیرہ سے کر دی تو تعجب کی بات نہیں۔ چشتی مشرب رکھنے کی وجہ سے شیخ شعیب اور ان کے والد نے حضرت زکریا کے اجداد کے اصول کے خلاف جائداد لینے سے انکار کر دیا ہوگا اور شیخ شعیب کی شادی سلطان محمود کی ہمشیرہ سے کر لی ہو گی۔ اس رشتہ پر تعجب کیا جا سکتا ہے لیکن اس زمانہ کے خیالات کے ماتحت اس کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کا جواز اس حقیقت سے واضح ہے کہ کاشغر کے کسی ترک بادشاہ نے ۱۰۲۶ء میں سلطان محمود کو اس کی لڑکی کا پیغام دیا تھا۔ سلطان نے جواب میں لکھا تھا کہ ہم لوگ کسی غیر مسلم کو اپنی لڑکی نہیں دیا کرتے لیکن

---

[1] خزینۃ الاصفیا و دیگر تذکرے

Marfat.com

اگر اسلام قبول کر لو تو لڑکی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں [1]۔ اب رہی شیخ احمد کی حملۂ چنگیزی میں شہادت تو یہ قطعی غلط ہے۔ اگر اس کو مان لیا جائے تو ان کی شہادت کے بعد شیخ شعیب کی ہندوستان میں آمد عہد شمسی میں ہونا چاہیئے، اور یہ خلاف واقعہ ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ احمد کی شہادت حملہ چنگیزی سے بہت پہلے غزنون کی کسی تاخت میں ہوئی ہو۔

اپنے والد شیخ احمد کے شہید ہو جانے کے بعد شیخ شعیب کابل سے لاہور ہوتے ہوئے قصور پہنچے۔ قاضی قصور نے ان کا استقبال کیا۔ اپنے یہاں مہمان رکھا اور حکومت سے سفارش کر کے کھوتوال کے عہدۂ قضا پر مامور کروا دیا۔ شیخ شعیب نے اس جگہ کی سکونت اختیار کر لی۔ شیخ شعیب کے صاحبزادے جمال الدین سلیمان رح علم و فضل اور روحانیت میں کمال رکھتے تھے۔ ان کی بزرگی اس واقعہ سے ثابت ہے کہ صاحب کرامت کرڑے دار شیخ علی رح نے اپنے وصال کے بعد اپنے صاحبزادے احمد غوث رح کو خواب میں بشارت دی کہ کھوتوال جا کر شیخ جمال الدین سلیمان رح کی خدمت میں حاضر ہوں اور فیض حاصل کریں۔ ۔۔۔ تین برس ان کی خدمت میں رہے [2]۔

---

(1) Literary History of Persia by Brown. [1]

(2) Preaching of Islam by Arnold.

[2] تذکرۂ بہاؤالدین زکریا رح مرتبہ مولانا نور احمد خان فریدی صاحب

Marfat.com

حضرت احمد غوث رح حضرت بہاؤالدین زکریا کے حقیقی چچا تھے۔
معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے خاندانوں میں اس طرح ابتداء ہی سے مراسم
روابط ہو گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت جمال الدین سلیمان رح
کی شادی ملتان کے مولانا وجیہہ الدین خجندی عباسی کی دختر نیک اختر
قرسم خاتون سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادی اور
تین صاحبزادے تولد ہوئے۔ صاحبزادوں کے اسماء گرامی
حسب ذیل ہیں :-
اعزالدین محمود۔ فریدالدین مسعود۔ اور نجیب الدین متوکل ۔
مابہ النزاع یہ ہے کہ فرزند اکبر اعزالدین محمود تھے یا فریدالدین
مسعود۔ کہتے ہیں کہ حضرت عطار رح نے اپنے نام پر اُن کا نام
فریدالدین رکھا تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت عطار رح ہندوستان
نہیں آئے۔ البتہ دوران سیاحت میں حضرت بابا صاحب رح
کو ان سے نیاز حاصل ہوا تھا۔ حضرت جمال الدین سلیمان رح
کی صاحبزادی بی بی حاجرہ تھیں۔ جن کی شادی پیران پیر حضرت
شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے پوتے اور شیخ عبدالوہاب رح کے
صاحبزادے شیخ عبدالرحیم رح سے ہوئی تھی اور یہی بی بی صاحبہ
حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر رح کی والدہ ماجدہ تھیں۔
شجرے کی مختلف خامیوں کی وجہ سے ۱۹۱۵ء میں رشید احمد
صاحب رضوی امروہوی نے ایک رسالہ "سیادت فریدیہ" شائع

Marfat.com

کر کے ثابت کیا تھا کہ حضرت بابا صاحبؒ فاروقی نہیں بلکہ سیّد تھے۔ اس رسالہ نے جملہ فریدیوں میں تہلکہ ڈال دیا تھا۔ مگر اس مسئلہ کے متعلق پیر غلام دستگیر نامی صاحبؒ نے اپنی "تاریخ جلیلہ" میں استدلال کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ سید و شیخ تعظیمی القاب ہیں۔ قومیت و نسب سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ حیرت ہے کہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قریشی کہتے ہیں اور حضرات حسنین رض اور ان کی اولاد کو فاطمی ہونے کی وجہ سے سیّد کہتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا قول ہے کہ سلسلۂ نسب والد سے چلتا ہے۔ اب اگر ماں کی طرف سے سیادت کا حق دیا جاتا ہے تو یہ اُلٹی بات ہوئی۔ پھر یہ دعویٰ بھی آگے چل کر ضعیف ہو جاتا ہے کیونکہ حضرات حسنین رض کی اولاد کی سب مائیں سیدانیاں نہیں تھیں۔ حضرت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر حضرت صدیق اکبر رض۔ حضرت ابوسفیان اور حضرت حسن رض کو سیّد سے خطاب کیا ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رض نے حضرت صدیق اکبر رض اور حضرت بلال حبشی رض کے متعلق فرمایا تھا کہ ہمارے سیّد نے ہمارے سید کو آزاد کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال ہر قریشی کو سیّد کہا جا سکتا ہے اور احادیث صحیحہ سے قریش کی سیادت و خلافت ثابت ہے لہٰذا حضرت بابا صاحب رح فاروقی اور قریشی ہونے کی وجہ سے بے شک سیّد ہیں۔[1]

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

Marfat.com

نسب اور شجرہ کے متعلق ظاہری اور تاریخی تذکرں کا ملخص پیش کر دیا گیا۔ اب کشفی تذکرہ کی داستاں بھی خالی از دلچسپی نہیں

(حاشیہ متعلق صہ ۶۳) وسط ۱۹۱۹ء میں ولایت سے میری واپسی ہوئی تھی۔ پر بناء رسالہ سیادت فریدی میرے خاندان میں فاروقی اور سید ہونے پر مباحثے ہوتے تھے۔ میری زبان سے نکل گیا کہ صدیوں کے اندر خون میں تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ مجھے آپ لوگوں کے فریدی ہونے پر بھی شک ہے۔ اب تو آگ لگ گئی اور مجھ پر بوچھاڑ ہونے لگی۔ ایک شب کو دہمی طور پر حضرت باباصاحب؟ کو مخاطب کر کے میں نے کہا کہ اگر آپ کو حیات بعد الموت حاصل ہے تو تو فیصلہ کر دیجئے کہ ہم فریدی ہیں یا نہیں۔ اب یہ لطیفہ تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ ۱۹۱۱ء میں تماشائی کے طور پر مجھے عرس پاکپٹن شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ جب بہشتی دروازہ کھلنے کے لیے جلوس بنا کر دیوان سید محمد مرحوم جانے لگے تو اپنے ساتھ حلقہ کے اندر مجھے بھی شامل کر لیا۔ میں انگریزی لباس میں تھا۔ جلوس والوں نے طعنے دینا شروع کر دیئے کہ دیوان صاحب نے انگریز پرستی کی حد کر دی کہ ایک کرسٹان کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ قبہ مبارک کے اندر دونوں مزارں کے درمیان مجھے کھڑا کر کے زعفران سے رنگی ہوئی بھیگی پگڑی جب میرے سر پر باندھنا چاہی تو میں نے عرض کیا کہ ہیٹ خراب ہو جائے گا۔ فرمایا کہ اس کو خراب ہی کرنا ہے۔ جب ہم باہر نکلے تو ہر شخص مجھ سے ہاتھ ملاتا تھا اور طعنہ دیتا تھا کہ آپ کے دادا صاحب آپ کے (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

سنہ و سال جو کشفی تذکرہ میں درج ہیں وہ محیر العقول ہیں اور اس کے بیانات و روایات بھی غرابت سے خالی نہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ بابا صاحب رح فاروقی تھے۔ مگر ننہالی رشتے سے سید بھی تھے کیونکہ خلیفہ دوئم نے خلیفہ چہارم کی صاحبزادی ام کلثوم سے شادی کی تھی۔ شادی کرنا صحیح ہے مگر حضرت عبداللہ بن عمر رض کی والدہ ماجدہ اُم کلثوم نہیں تھیں۔ کشفی تذکرہ میں بھی حضرت عبداللہ بن عمر رض کی اولاد میں ناصر و منصور دونوں موجود ہیں۔ پھر یہ بھی لکھا ہے۔ کہ حضرت ادہم کے والد کا نام منصور شاہ تھا جو قندز میں پیدا ہوئے تھے اور ان کا مزار تاشقند میں ہے۔ فرخ شاہ کے متعلق درج ہے کہ یہ عرفیت ہے ورنہ اصلی نام شہاب الدین علی تھا اور یہ بادشاہ کابل تھے۔ ان کی پیدائش کابل میں بمقام پنجدہ ہوئی تھی اور ان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴) آپ کے انگریزی فیشن کو دیکھ کر کیا کہتے ہوں گے میں حیران تھا کہ ان لوگوں کو میرے فریدی ہونے کی کیسے خبر ہو گئی۔ آخرکار راز یہ کھلا کہ یہ پگڑی اہل خاندان ہی کو دی جاتی ہے۔ لیکن اصل مطلب نہیں سمجھا۔ ۱۹۱۹ء میں جب تحریک ترک موالات میں شریک ہوا تو میرا ہیٹ اُتر گیا اور ہیئت کذائی میں تبدیلی واقع ہو گئی۔ پھر جب ۱۹۲۸ء میں روحانیت کی طرف مائل ہوا تو سمجھا کہ میرے دہی سوال کا جواب دے دیا گیا کہ ہم فریدی ہیں الحمد للہ علی احسانہٖ

والد بخارا میں پیدا ہوتے تھے۔ شیخ احمد کی شہادت بھی چنگیز کے سپاہی کے ہاتھ سے قلعہ غزنی میں بتائی ہے۔ اس کے بعد تفصیل یہ ہے کہ اپنے بہنوئی شیخ شعیب کو سلطان محمود غزنوی نے ۴۹۹ھ میں دیپالپور بسلسلہ تبلیغ بھیجا تھا اور سلطان کی اجازت سے شیخ جمال الدین سلیمان (متوفی ۵۵۹ھ) بعمر اکیس سال ۵۰۰ھ میں اپنے والد کے پاس آئے تھے اُن کی شادی قرسم خاتون سے نہیں بلکہ مریم خاتون سے ۵۰۱ھ میں ہوئی تھی اور بمقام کھوتوال بعد عشاء ١٧ جمادی الاول کو قاضی محمد اکرم شاہ کابلی نے نکاح پڑھایا تھا۔ انہیں مریم خاتون کے بطن سے بڑے صاحبزادے فرید الدین مسعود بعد مغرب شب سہ شنبہ ۴ ذی الحجہ ۵۰۲ھ کو تولد ہوئے۔ عزیز الدین کی پیدائش ۵۲٦ھ میں اور رحلت ۵۵۵ھ میں ہوئی نجیب الدین متوکل ۵۴۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بی بی ہاجرہ عرف جمیلہ خاتون ۵۵۷ھ میں پیدا ہوئیں اور ان کا انتقال ٦٢١ھ میں ہوا۔ ایک دوسری دختر بی بی زینب کا اضافہ کیا ہے جو ۵۴٦ھ میں پیدا ہو کر ۵۵۵ھ میں انتقال کر گئیں۔ سیدہ مریم خاتون کا وصال بعمر ١٥٨ سال ٦۴١ھ میں ہوا۔ واللہ اعلم۔ خیال تھا کہ کشفی بیان معتبر ہو گا۔ مگر معلوم ہوا کہ یا تو صاحب کشف کو دھوکہ ہوا یا کشف میں بھی اشتباہ ممکن ہے [1]

---

[1] بلکہ عین ممکن ہے۔

Marfat.com

اس کشفی تذکرہ میں سیدہ مریم خاتون کا پورا حال درج ہے کہ ۸۵۳ھ میں پیدا ہوئی تھیں۔ بی بی صاحبہ کے نانا عبداللہ شاہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی اولاد سے تھے۔ سید عبداللہ شاہ کے دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک کی شادی مولانا وجیہہ الدین خجندی عباسی سے ہوئی تھی۔ ان کا اصل نام محمد عیسٰی تھا اور ان کا سلسلہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا ہے۔ ان صاحبزادی کے بطن سے محمد یعقوب اور بی بی فاطمہ پیدا ہوئے۔ محمد عیسٰی الملقب بہ وجیہہ الدین خجندی کسی جگہ ملتان میں مقیم ہو گئے تھے۔ سید عبداللہ شاہ کی دوسری صاحبزادی کے شوہر کا نام نہیں لکھا ہے۔ مگر ان کے بطن سے ایک دُختر پیدا ہوئی مسماۃ مریم خاتون۔ جب مریم خاتون چھ ماہ کی ہوئیں تو ان کی والدہ کا بعارضہ دق انتقال ہو گیا۔ اور مریم خاتون کی پرورش اُن کی خالہ زاد بہن نے کی تھی۔ اسی لیے عرف عام میں وہ مولانا خجندی کی بیٹی کہلائیں۔ اور غلطی سے مریم خاتون کو قُرسم خاتون کہا جانے لگا یا کتابت کی غلطی سے نام بدل گیا۔

اگرچہ کشفی تذکرے کے بیانات عجیب وغریب ہیں۔ مگر کچھ ایسے احوال بھی ہیں جو تاریخی خلاء کو پورا کر دیتے ہیں۔ اگر ان کو صحیح مان لیا جائے تو ظاہری تذکروں کی خامیاں دور ہو جاتی ہیں۔ مثلاً مولانا خجندی کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کے متعلق لکھا

Marfat.com

کہ ان کی شادی حضرت وجیہہ الدین محمد غوث سے ہوئی تھی۔ جن کے بطن سے حضرت بہاؤ الدین زکریا رح تولد ہوئے۔ حیرت ہے کہ حضرت بہاؤ الدین زکریا رح کے تذکرہ نگار وثوق کے ساتھ نہیں بتا سکتے کہ ان کے نانا کون تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ حضرت حسام الدین کی صاحبزادی بی بی فاطمہ حضرت زکریا رح کی والدہ تھیں۔ اور کسی کا بیان ہے کہ حضرت پیران پیر کے صاحبزادے سید عیسٰی کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کی شادی حضرت محمد غوث رح سے ہوئی تھی۔ یہی آخرالذکر روایت مولانا نور احمد خاں فریدی صاحب نے اپنے تذکرۂ زکریا رح میں لکھی ہے۔ لیکن یہ روایت مشکوک ہے جبکہ یہ حقیقت منکشف ہوئی ہے کہ پیران پیر کے صاحبزادے سید عیسٰی قادری کا زمانہ بہت پہلے تھا اور وہ ناکتخدا تھے۔ نہ ان کی شادی ہوئی اور نہ ان کے کوئی اولاد تھی [1] اب اگر حسام الدین ترمذی والی روایت کی کوئی صحیح بنیاد ہوتی تو حضرت زکریا رح کے تذکرہ نگار اُسے نظر انداز نہ کرتے۔

اگر اس کشفی بیان میں کوئی حقانیت ہے تو حضرت زکریا رح حضرت بابا صاحب کے خالہ زاد بھائی ٹھہرتے ہیں۔ جواہر فریدی میں بتایا گیا ہے کہ ان دونوں حضرات کی مائیں حقیقی بہنیں تھیں۔

---

[1] تاریخ جلیلہ مرتبہ حضرت نامی صاحب

Marfat.com

بہر حال ان دونوں حضرات کی مائیں خالہ زاد بہنیں ہوں یا نہ ہوں مگر اس میں شک نہیں کہ ان دونوں بزرگوں میں دوستانہ تعلقات تھے اور ان دونوں کے خاندانوں میں حضرت جمال الدین سلیمانؒ کے وقت سے ارتباط تھا۔

ان سب چہ میگوئیوں کے بعد نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ کسی بات کا تعین نہیں کیا جا سکتا اور یہ واقعی کرامت ہے۔ کہ محققین و ماہرین انساب سخت جاں فشانیوں کے بعد بھی حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ کا صحیح شجرہ مرتب نہیں کر سکے خدا جانے وہ سیّد تھے یا فاروقی تھے مگر ان کی اولاد فریدی ضرور ہے۔ اور یہ شرف اہل خاندان و سلسلہ کو کافی ہے۔ اب رہا ان کا ذاتی نسب تو یہ حجاب و نقاب کسی طرح نہیں اٹھتا۔ وجہ یہ کہ ؎

اندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

Marfat.com

شجرۂ پدری

مطابق خزینۃ الاصفا

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ
حضرت عبداللہ رضؓ
حضرت ناصر ⊗
یا

حضرت منصور یا سلمان ⊗
حضرت سلیمان
حضرت ادہم
حضرت ابراہیم بلخی ⊗
حضرت اسحٰق
واعظ الاکبر الی الفتح
واعظ الاصغر عبداللہ
حضرت مسعود
حضرت سلیمان
حضرت سامان شاہ
حضرت رسبمان شاہ
نصیر الدین
شیخ احمد فرخ شاہ کابلی
شہاب الدین
محمد
یوسف
شیخ احمد شہید
شیخ شعیب
جمال الدین سلیمان

اعز الدین محمود　فرید الدین مسعود　نجیب الدین متوکل

Marfat.com

شجرہ ارادت

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

- حضرت صدیق اکبرؓ
  - سلسلہ نقشبندیہ
- حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ
  - خواجہ حسن بصری
    - خواجہ حبیب عجمی
      - جنید بغدادیؒ
        - ممشاد علی دینوری
          - سلسلہ سہروردیہ
            - سہروردیہ
            - فردوسیہ
        - ابوبکر شبلی
          - سلسلہ قادریہ
    - خواجہ عبدالواحد
      - فضیل بن عیاض
      - ابراہیم بن ادہم
      - حذیفہ مرعشی
      - ہبیرہ بصری
      - علو ممشاد
      - ابواسحٰق شامی
      - ابواحمد ابدال چشتی
      - محمد زاہد مقبول چشتی
      - ابویوسف چشتی
      - ناصرالدین چشتی
      - مودود چشتی
      - شریف زندنی
      - خواجہ عثمان ہرونی
      - " معین الدین چشتی
      - " قطب الدین بختیار کاکی
      - شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر
        - حضرت جمال ہانسوی
          - سلسلہ جمالیہ
        - شیخ نظام الدین بدایونی
          - سلسلہ نظامیہ
        - مخدوم علاؤالدین صابر
          - سلسلہ صابریہ

Marfat.com

۵

خلافت

۶۱۲ھ ۱۷-۱۲۱۶ء عمر ۳۴ سال

معلوم نہیں والدہ صاحبہ نے ہدایت فرمائی تھی یا پیر روشن ضمیر نے روحانی اشارہ کیا تھا یا خود ذاتی تقاضائے تلب تھا کہ حضرت فرید الدین مسعودؒ نے اُوچ پہنچ کر مسجد حاج میں چلہ معکوس کیا۔ درخت میں رسی باندھ کر شام سے کنوئیں میں لٹک جاتے تھے اور صبح کو مسجد کے مؤذن رشید الدین مینائیؒ رسی کھینچ کر اُنہیں نکال لیا کرتے تھے[1] جب چالیس دن پورے ہو گئے تو باوجود نقاہت کے دہلی کی راہ لی۔ مشہور ہے کہ خواجہ یوسف

[1] تذکرہ کشفی

Marfat.com

چشتی رح صلوٰۃ معکوس کے عادی تھے۔ اور سلطان المشائخ نے شیخ ابوسعید ابوالخیر رح سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا میں نماز معکوس ادا فرمائی تھی۔

صلوٰۃ معکوس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ القول الجمیل میں لکھتے ہیں کہ "چشتیہ کے ہاں ایک نماز ہے جس کو صلوٰۃ معکوس کہتے ہیں۔ ہم نے سنت مصطفویہ اور اقوال فقہا سے اس کی کوئی اصل نہیں پائی، جس کی بنا پر ہم اس کی تائید نہیں کر سکتے۔ لہذا ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ والعلم عند اللہ

غالباً یہ اضافہ مابعد ہے ورنہ فوائد الفواد میں ایسی غیر مستند بات ہونی نہیں چاہیئے تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر بزرگوں نے صلوٰۃ معکوس ادا فرمائی ہے۔ لیکن اس کی شرعی حقیقت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا سوائے اس کے کہ چند حدیثوں سے اس کا جواز ثابت کیا جائے۔ ارشاد نبوی ہے کہ "کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ اِلَّا فِیْ عِبَادَۃٍ (تجرید الاحادیث) صحیح مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ "اسلام میں جو نیک راہ نکالے اس کو بھی اس کا ثواب ہے" تیسری حدیث ہے کہ "ہر اچھی بات مومن کا گم شدہ مال ہے" یہاں محض چالیس دن کی صلوٰۃ معکوس کی روایت ہے مگر عام صورت سے شہرت ہے کہ بابا صاحب رح نے بارہ برس صلوٰۃ معکوس ادا فرمائی تھی۔ ممکن ہے کہ صلوٰۃ معکوس سے مراد وہی اصول ہو جو

Marfat.com

چشتیوں کی خصوصیت ہے اور جس کی تلقین باباصاحب[1] اپنے ہر مرید سے فرمایا کرتے تھے کہ "جو دل چاہے اس کے خلاف عمل کیا جائے"۔ بہرحال مدعا جو کچھ بھی ہو مگر صلوٰۃ معکوس کو جوگیوں کی "شلبس آسن" نہیں سمجھا جا سکتا۔

جوگی جو مجرد رہنا چاہتے ہیں وہ اپنا سر زمین پر رکھ کر ٹانگیں اُوپر کو اٹھانے کی مشق کیا کرتے ہیں۔ ابتدائی زندگی میں حضرت باباصاحب رح کو جوگیوں سے سابقہ نہیں پڑا اور اجودھن میں جو جوگی ان کی خدمت میں آتے تھے وہ بجائے کچھ سکھانے کے خود ان سے سیکھ کر جایا کرتے تھے۔ لہذا ان لوگوں سے کسی طرز عبادت کو مستعار لینے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔

۶۱۱ھ / ۱۲۱۵ء میں رمضان کی دوسری تاریخ تھی یا ماہ ذوالحجہ کی پچیس[2] غرض اس روز حضرت شہیدِ محبت خواجہ بختیار کاکی اوشی قدس سرہ العزیز کی محفل میں قاضی حمیدالدین ناگوری سہروردی۔ مولانا شمس الدین ترک۔ خواجہ محمود، علاؤالدین کرمانی۔ بدرالدین غزنوی۔ برہان الدین بلخی۔ ضیاءالدین رومی۔ نورالدین غزنوی اور نظام الدین ابوالموئید وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔ اور ذکر یہ تھا کہ "شیخ میں اس قدر دل کی قوت اور ضمیر کی صحت ہونا چاہیئے کہ جس کو مرید کرے اس کے سینہ کی زنگار اپنی قوتِ باطنی سے صاف کر کے صیقل کر دے اور رازہائے فطرت سے آگاہی دیدے"۔

۱؎ فوائد السالکین وغیرہ

۲؎ تذکرہ کشفی۔ غالباً یہی تاریخ صحیح ہے۔

Marfat.com

اُسی دن اِسی وقت حضرت فرید فرد؁ اُمید و بیم کے ساتھ شوق میں بھرے ہوئے دربار میں حاضر ہوتے۔ داخل ہوتے ہی شوق۔ شعور اور علم نے ساتھ چھوڑ دیا۔ جدائی کی مدت مدید نے ایک دیوار کھڑی کر دی۔ نہ یہ کچھ کہہ سکے اور نہ انہوں نے کوئی رُخ دیا۔ مولانا شمس الدین تُرک نے آداب مجلس کے مطابق بیٹھ جانے کا بھی اشارہ کیا۔ مگر خبرے نہ باشد۔ کھڑے کے کھڑے رہے۔ بدحواسی و سراسیگی کی وجہ سے وہ طے نہ کر سکے کہ تعارف کی کیا صورت نکالی جائے۔ مسجد ملتان میں توجہ فرمائی کی یاد دلائیں۔ النافع پڑھنے کا حوالہ دیں یا تکمیل تعلیم کے بعد حاضر ہونے کی ہدایت کا ذکر کریں اور پھر کیا معلوم کہ اُنہیں کچھ خیال بھی ہو یا نہ ہو۔ حیرانی و پریشانی کی اسی حالت میں کانوں نے سنا۔ "مولانا فرید سب کام ختم کر کے آگئے ہو؟" سنا تھا کہ سربسجود ہو گئے۔ قدم لیتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ نہ مغائرت رہی نہ حجاب رہا۔ درمیانی دیوار مٹ گئی اور مفارقت کا تصور جاتا رہا۔ حضرت خواجہ رح نے فرمایا۔ "مردانِ خدا ایسے ہی مدارج طے کرتے ہیں۔ مگر یہ سعادت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ یہ محض فضل الہی پر منحصر ہے۔ لیکن ہر حال میں کسی نہ کسی مقام پر پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیئے صدق و خلوص ہی کے ذریعہ مقام قرب میں رسائی ہوتی ہے۔" (یعنی یہ ہوتے کہ سعیٔ ناتمام ہی فضل الہٰی سے بارآور ہوا کرتی ہے) یہ کہہ کر چہار ترکی کلاہ مرحمت فرمائی۔ اور بے حد لطف

Marfat.com

فرمایا۔[1] شیخ الاسلام نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے اس سے پہلے بیعت رضوان کی تفصیل بیان کی تھی کہ حُدیبیہ کے مقام پر حضرت عثمان غنی رضہ کو کفار مکہ سے گفتگو کرنے بھیجا گیا تھا۔ اتنے میں افواہ اُڑی کہ وہ قید کر لیے گئے۔ مسلمانوں میں جوش پیدا ہُوا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے لڑنے کے لیے جملہ صحابہ سے بیعت لی۔ پھر حضرت عثمان غنی رضہ کی طرف سے یُوں بیعت لی کہ اپنے ایک ہاتھ کو اُن کا ہاتھ فرض کیا اور اپنا دوسرا دست مبارک اُس پہ رکھا۔ غرض اس مثال سے سمجھایا کہ تجدید بیعت کی اُسی دن سے بنیاد پڑی۔ اب حاضرینِ جلسہ کے سامنے حضرت فریدالدین مسعودؒ کو تجدید بیعت سے مشرف فرمایا گیا۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ تجدید بیعت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اور کونسی غلطی واقع ہوئی تھی۔ مدت فراق میں بظاہر دوری معلوم ہوتی ہے۔ مگر روحانی صورت سے معیت رہتی ہے۔ اب اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے جن کے رتبہ ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ آنِ واحد کے لیے وحشت میں ہی سہی مگر یہ خطرہ کیوں آیا کہ "خیال ہو یا نہ ہو" بس اسی خطرے کی وجہ سے تجدید کی ضرورت ہوئی۔ اس خطرے میں اہانت کی صورت نکلتی ہے۔

---

[1] راحت القلوب۔ مسودہ میں نقل راچہ عقل کے مطابق "چہار گوشہ ترکی کلاہ" لکھ دیا گیا تھا جس کی صحت صاحب پیش لفظ نے فرما دی۔

Marfat.com

راہ سلوک میں خطرات پر بھی گرفت کی جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ "مرید کو موجودگی و عدم موجودگی دونوں میں یکساں طور پر پیر کی خدمت کرنا چاہیئے۔ اور اگر پیر کا انتقال ہو جائے تو اور بھی زیادہ کرنا چاہیئے"۔

حضرت والا کا لقب شکر گنج بھی ہے۔ اس کی دو تین وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ سب صحیح ہو سکتی ہیں۔ مگر مستند و معتبر یہ ہے کہ اسی موقع پر غزنی دروازے کے قریب ایک برج میں ٹھہرا کر طے کے روزے کا حکم دیا تھا۔ سیاحت و مجاہدات کے بعد ابھی حال میں چلہ معکوس کیا تھا۔ ان کے جسم کی حیثیت منجمد خیال سے زیادہ نہیں تھی۔ بایں ہمہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ تیسرے روز افطار کے لیے کچھ نہ تھا۔ ایک شرابی نے کھانا لا کر پیش کیا۔ اسی سے افطار کر لیا۔ مگر معدے نے غذا قبول کرنے سے انکار کر دیا اور وہ قے بن کر خارج ہو گئی۔ صبح کو حضرت شیخ سے ماجرا بیان کیا۔ فرمایا وہ کھانا شرابی کا تھا۔ اچھا ہوا کہ خارج ہو گیا۔ اب ضرورت ہے کہ طے کا روزہ ایک اور رکھو اور غیب سے جو میسر آئے اس سے افطار کرو۔" روزہ اور طے کا روزہ اور پھر طے کے روزے پر طے کا روزہ۔ اس کیفیت کا تصور مشکل ہے۔ مگر تعمیل کرنا تھی۔ تیسرے روز افطار کا وقت آیا،

۱؎ جوامع الکلم میں ہے کہ در مسجد دہلی نزدیک دروازہ شدہ قیام کردایا تھا۔

۲؎ اخبار الاخیار و سیر الاولیاء

Marfat.com

مگر غیب سے کچھ نہیں آیا۔ رات گذرے شدتِ گرسنگی سے مجبور ہوکر زمین پر ہاتھ مارا۔ چند سنگریزے ہاتھ میں چپک گئے۔ عطیۂ غیب سمجھ کر وہی مُنہ میں ڈال لیے۔ مگر وہ شیریں تھے۔ خطرہ ہوا کہ پھر کوئی فریب نہ ہو۔ فوراً اُگل دیئے۔ جب تین مرتبہ یہی واقعہ پیش آیا اور سنگریزے ہر مرتبہ شکر معلوم ہوئے تو سمجھا کہ یہی تحفۂ غیب ہے تحفۂ غیب کی پیشین گوئی کر دی گئی تھی۔ تحفۂ غیب ملا بھی لیکن زمین پر ہاتھ مارنا حصول کا ذریعہ تھا۔ یہ اضطراری سعی تھی۔ اس کو اختیاری جدوجہد نہیں کہا جا سکتا۔ اختیاری جدوجہد پر اعتماد نہیں رکھنا چاہیئے۔ بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ محنت وکوشش کا نتیجہ اپنے اختیار سے باہر ہے۔ علم کی بے راہ روی اسی کو کہا جاتا ہے کہ اہلِ فلسفہ نے عقل و دماغ کو منتشر کرنے کے لیے جبرواختیار کی بحث ایجاد کی۔ اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس بے نتیجہ بحث سے سکون حاصل نہ ہوا۔ نظام مملکت کے قیام واستحکام کے لیے منتظم جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اس کے حسنِ تدبیر۔ مصلحت اور ضرورت کی دلیل ہے۔ باغبان جانتا ہے کہ کس پودے کو پانی اور کھاد دے اور کس پودے کو بیخ و بُن سے اُکھیڑ کر پھینک دے۔ باغبان کا ہر فعل باغ کی صحت و رونق کے لیے ہوا کرتا ہے۔ نہ کہ اپنی نفسانیت کے لیے۔ لہذا اس تراش وخراش میں جبرو اختیار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اب ہاتھ مارنے کے بجائے تعمیل حکم کو اصلی جدوجہد

Marfat.com

کہا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ اپنی اپنی نظر ہے۔ چنانچہ دوسرے دن جب اضطراری طور پر تحفۂ غیب ملنے کا قصہ پیر و مرشد کے گوش گزار کیا تو فرمایا بابا۔ روح جب نفس کو مطیع کر لیتی ہے تو دائمی حلاوت مل جایا کرتی ہے۔ لہذا مبارک ہو کہ تم گنج شکر بن گئے۔ شکر نام ہے دراصل اطاعت و وفا کی تاثیر کا۔ اس لیے ضروری ہے کہ شکرانے میں تم شکر بانٹا کرو۔ چنانچہ اسی روز سے شکر گنج مشہور ہو گئے۔ اب رہیں دوسری روایتیں کہ بنجارے کی شکر نمک بن گئی اور نمک پھر شکر کی صورت اختیار کر گیا[1] تو ولی سے کرامت کا اظہار ممکن ہے اور یہ کرامتیں بھی حضرت شیخ کے عطا کردہ خطاب کی تصدیق کرتی ہیں۔

اس حجرے میں رہ کر عبادت و ریاضت کا شغل تھا اور کہا جاتا ہے کہ بجائے روزانہ کے ہفتہ دو ہفتہ میں ایک مرتبہ شیخ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے[2]۔ کچھ دن بعد حضرت سلطان الہند خواجہ بزرگ رح پہلی مرتبہ اجمیر سے دہلی تشریف لائے[3]۔ تاریخی دلائل سے تشریف آوری کا تعین ۶۱۲ھ/۱۲۱۶-۱۷ء میں کیا گیا ہے[4] زیارت

---

[1] تذکرۃ العاشقین۔ [2] فوائد الفواد

[3] کشفی تذکرہ کے مطابق ماہ شعبان میں آئے تھے۔

[4] ملاحظہ ہو سوانح خواجہ معین الدین چشتی رح ص۱۲۵ مرتبہ وحید احمد مسعود

Marfat.com

وقدمبوسی کے لیے ساری دہلی اُمڈ پڑی۔ سلطان شمس الدین بھی حاضر ہوا لیکن بابا صاحب نہیں آئے۔ ان کے متعلق جب دریافت کیا تو بتایا گیا کہ چلہ میں ہیں۔ اس پر خواجہ قطب صاحب سے فرمایا "تم واقعی بختیار ہو جو ایسے شہباز کو قبضہ میں لائے جس کا آشیانہ سدرۃ المنتہٰی سے ادھر نہیں۔ ایسے شخص پر تشدد کی ضرورت نہیں چلہ کو ختم کرا دینا چاہیئے"۔ اس کے بعد دونوں حضرات اس حجرے میں گئے۔ جملہ جلیل القدر ہستیوں نے جو حاضر و موجود تھیں رفاقت کی۔ خواجہ بزرگ اس حجرے میں قبلہ رُو کھڑے ہوئے۔ خواجہ قطب صاحب رح نے متابعت کی اور بابا صاحب کو درمیان میں کھڑا کر کے دیر تک دعا فرمائی کہ خدا وندا فرید کو قبول فرما۔ اہل گوش نے ندائے غیب سُنی کہ قبول کیا۔ اس کے بعد انعام فیض روحانی حضرت خواجہ قطب صاحب رح سے دلوایا بلکہ خود بھی عطا کیا۔ اور ارشاد فرمایا "فرید ایسا چراغ ہے جو ہمارے خانوادے کو روشن کرے گا اور وحید عصر ہوگا" اس رسم اور عطیہ کو خلافت سے موسوم کیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ قطب صاحب رح کی طرح دوران قیام دہلی میں حضرت غریب نواز رح بھی فریدالدین مسعود گنج شکر رح کو بابا سے خطاب کیا کرتے تھے اسی لیے ان کا لقب "بابا" ہو گیا اور اتنی مقبولیت ہوئی کہ اسی لقب سے برابر یاد کیے جاتے ہیں مریدوں میں وہی حضرات مستحق خلافت ہوتے ہیں جو روحانیت

Marfat.com

میں کمال حاصل کر کے نیابت کی اہلیت پیدا کر لیتے ہیں۔ خلافت و نیابت اس لیے دی جاتی ہے کہ خاندانی تعلیم و فیض کا سلسلہ جاری ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ خلافت حیات شیخ میں ملے یا شیخ کی رحلت کے وقت حاصل ہو یا بعد وصال عنایت ہو۔ عام دستور یہی ہے کہ منزل طے کرانے کے بعد خلافت دی جاتی ہے۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ خلافت پیشگی دے دی جائے اور منازل کی تکمیل بعد میں کرائی جائے[1] بہرحال یہ مرضیٔ الٰہی اور شیخ کی رائے پر منحصر ہے۔

---

[1] مثلاً حضرت نظام الدین اولیاءؒ بدایونی کو خلافت دے دی گئی۔ مگر دہلی میں بعد کو بیس سال زلزال شدید میں مبتلا رہ کر منازل طے کئے اسی طرح صوفی برہان الدینؒ کو پیشگی خلافت عطا کی گئی۔

Marfat.com

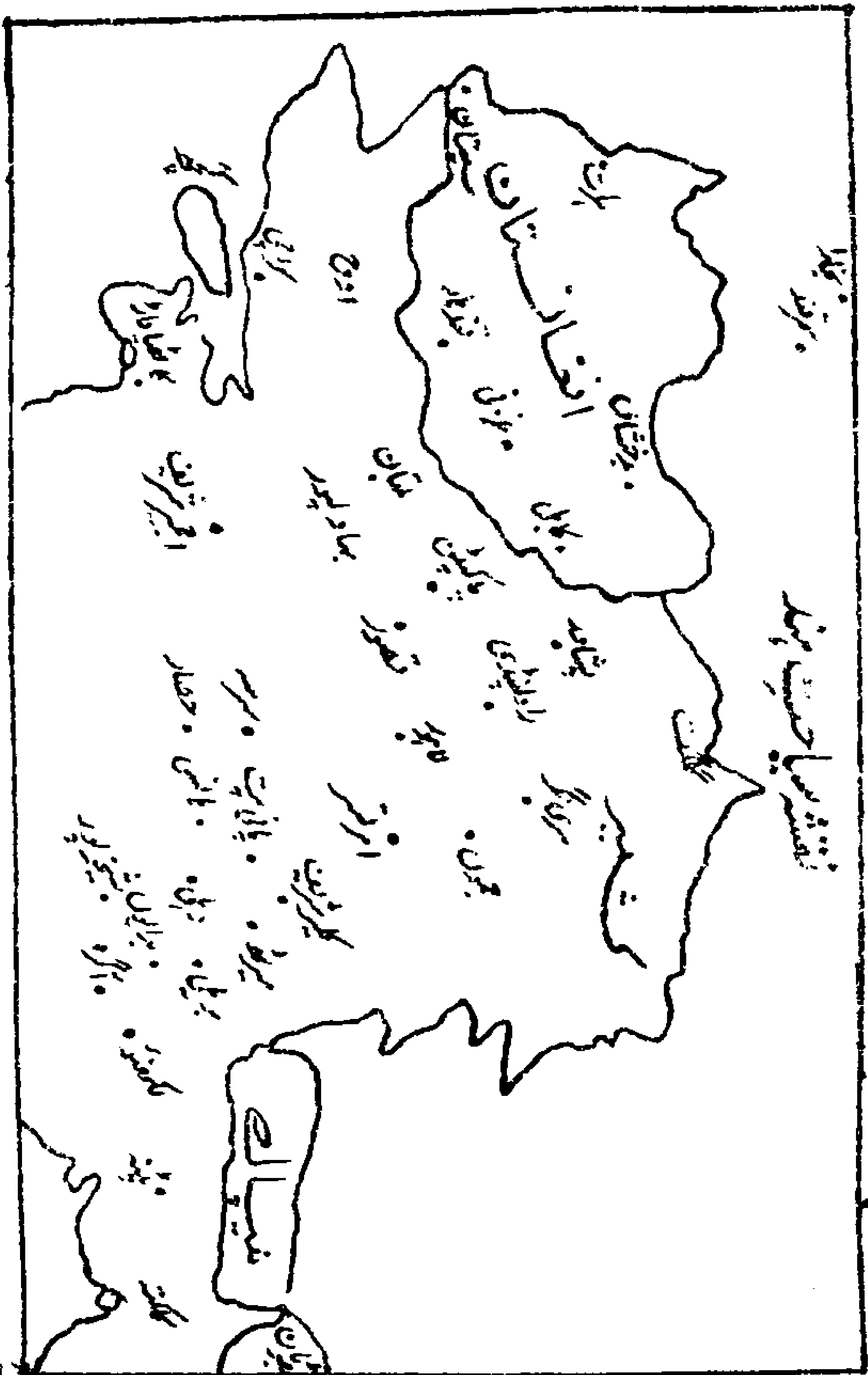

Marfat.com

۶

مجاہدات

۶۱۲ ــــــــــــــــــــــــ ۶۳۶
۱۲۱۶ ــــــــــــــــــــــــ ۱۲۳۸-۳۹

حصول خلافت کے بعد حضرت بابا صاحبؒ نے دس برس دہلی میں مجاہدات کیے اور بارہ سال ہانسی میں[1]۔ ان دونوں مقامات میں مجاہدات کے ساتھ سیاحت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ حالات سفر سے ظاہر ہے کہ مختلف بزرگوں سے ملاقاتیں کیں۔ ریاضتیں کیں۔ تبلیغ فرمائی۔ اور والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضریاں بھی دیں۔ تفصیل نہیں معلوم لیکن مشاغل کے متعلق جستہ جستہ جو علم حاصل ہوا وہ اس لیے پیش کیا جاتا ہے کہ ان کی زندگی

---

[1] سیر الاولیاء وغیرہ

کے طور و طریق کا اندازہ ہو۔

قیام دہلی ۶۱۳ھ تا ۶۲۱ھ

اس قیام دہلی میں مجاہدات شاقہ کا پتہ چلتا ہے۔ پھر مختلف مقامات پر بھی تشریف لے گئے ہیں۔ حالات و واقعات کے سنین بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر وہ قیاسی ہے۔

۱- دہلی ۶۱۳ھ: ایک مرتبہ قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی رح نے حوض شمسی پر میری موجودگی میں شیخ شاہی موئے تاب بدایونی رح کو خرقہ مرحمت فرماتے ہوئے شیخ محمود موئینہ دوز رح سے استصواب کیا۔ اُنہوں نے جواب دیا جسے آپ پسند کرتے ہیں اور خرقہ دیتے ہیں وہ ضرور خرقہ کے لائق ہوتا ہے۔

۲- دہلی ۶۱۴ھ یا ۶۱۵ھ: نورالدین غزنوی سہروردی دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ سلطان شمس الدین ان کی بیحد تعظیم کرتا تھا اور وہ سلطان کو سختی سے بھی جواب دے دیا کرتے تھے۔ کسی بات پر حضرت نورالدین غزنوی اور سلطان العارفین حضرت شیخ شاہی موئے تاب بدایونی رح سے کچھ اختلاف ہو گیا تھا اور مصالحت کی کوئی صورت نہیں نکلتی تھی۔ حضرت بابا صاحب رح

Marfat.com

غزنوی صاحب کو اپنی کملی میں چھپا کر سلطان العارفین صاحب بدایونی کے پاس پہنچے۔ اور مصافحہ کرتے وقت بجائے اپنے ہاتھوں کے غزنوی صاحب کے ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دے دیئے۔ اس لطیفہ کے بعد دونوں میں صلح ہوگئی[1]

۳۔ دہلی ۶۱۵ھ: فرماتے ہیں کہ میری موجودگی میں ایک مرتبہ حضرت قطب عالم قدس سرہ العزیز کی خدمت میں سلطان شمس الدین کے وزیر آئے۔ کہ سلطان علیل ہیں صحت کے لیے دعا فرمایئے۔ اس پر سب حاضرین کو حکم دیا کہ والئ دہلی کے لیے فاتحہ پڑھو اور وزیر سے کہا کہ جاؤ انشاء اللہ صحت ہوگی اور فرمایا علالت صحت ایمان کی علامت ہے۔ بیماری سے گناہ دھل جاتے ہیں۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی سال ۶۱۵ھ میں دہلی سے کھوتوال تشریف لے گئے۔

۴۔ دہلی ۶۱۶ھ: جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح اور شیخ جلال الدین تبریزی رح سے دہلی میں پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تو میں موجود تھا۔ سیاحی کی داستان چھڑی۔ شیخ تبریزی نے بیان کیا کہ قرش (؟) میں ایک بزرگ نے میرے سلام کے جواب میں کہا۔ وعلیکم السلام یا شیخ جلال الدین۔ تو مجھے حیرت ہوئی کہ انہیں میرا نام

---

[1] تذکرہ شیخ شاہی

Marfat.com

کیسے معلوم ہو گیا۔ اُن بزرگ نے از خود فرمایا جو تمہیں یہاں لایا اسی نے یہ نام بھی بتا دیا۔

(۱) سنہ ... فرماتے ہیں کہ محلہ دہلیز[۱] میں شیخ جلال الدین

۵۔ بدایوں: تبریزی رح کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک چھاچھ بیچنے والا قریب سے گزرا۔ وہ بدایوں کے ایک گاؤں "موسیٰ"[۲] کا رہنے والا تھا۔ وہاں کے لوگ چوری اور رہزنی میں مشہور تھے۔ شیخ کی نظر اس پر پڑی۔ وہ بیتاب ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کا نام علی رکھا گیا۔ اس نے اپنے گھر سے لا کر ایک لاکھ جیتل[۳] شیخ کی نذر کیے۔ کہا کہ اپنے پاس رکھو اور جس طرح ہم کہیں خرچ کرنا۔ ہر حاجتمند کو کم و بیش جیتل دیتے تھے۔ مگر پانچ سے کم نہیں دیتے تھے۔ جب ایک جیتل رہ گیا تو علی کو فکر ہوئی کہ بقیہ چار کہاں سے آئیں گے۔ اتنے میں ایک سائل آیا۔ اُسے ایک ہی جیتل دینے کا حکم دیا۔ اس پر علی کو بے حد تعجب ہوا کہ کوڑی کوڑی کا

---

[۱] محلہ دہلیز میں حضرت کا محلہ اب تک موجود ہے
[۲] پتہ نہیں یہ کونسا گاؤں تھا۔ یہ واقعہ نجم الدین صغریٰ کی معزولی کے بعد کا ہے جبکہ دہلی سے بنگال جاتے ہوئے شیخ جلال نے کافی عرصہ بدایوں میں قیام کیا تھا۔ [۳] ایک جیتل دو دمڑی کی برابر ہوتا تھا۔

Marfat.com

حساب دل میں رکھتے ہیں۔ جب شیخ بدایوں سے بنگال کو روانہ ہوئے تو علی نے ساتھ لے چلنے پر اصرار کیا۔ جواب دیا کہ یہیں رہو۔ یہ شہر تمہاری حمایت میں چھوڑا جاتا ہے۔ حضرت جلال نے تقریباً دو ڈھائی سال بدایوں میں قیام کیا تھا۔ پھر بنگال گئے تھے اور وہاں سلطان علاؤ الدین علی شاہ نے خانقاہ تعمیر کروا دی جو بارہ دری کے نام سے مشہور ہوئی[۱] بعد کو بدایوں میں یہی علی۔ "علی مولا بزرگ" کہلائے اور انہوں نے ہی سلطان المشائخ کے سر پر فضیلت کی پگڑی بمقام بدایوں غالباً ۶۵۵ھ میں باندھی تھی۔

(۲) شیخو پور اور اُجھیانی ضلع بدایوں کے درمیان سڑک کے کنارے ایک گاؤں گورہ ہے۔ وہاں فقراء کے لیے شاہی زمانہ کی معافی دوام ہے جو حضرت باباصاحبؒ کے نام کی ہے۔ شہرت یہ ہے کہ یہاں چلہ کیا تھا۔ اسی کی یادگار میں اُسی زمانہ میں کسی نے زمین معافی کے طور پر لکھدی تھی۔

(۳) تحصیل فرید پور ضلع بریلی میں تحصیل کی عمارت کے قریب یادگار کے طور پر ایک دیوار باقی ہے اور مشہور ہے کہ حضرت باباصاحب رح نے یہاں چلہ کیا تھا۔ واللہ اعلم

---

[۱] راحت القلوب باب ہشتم

Marfat.com

بریلی کا گزیٹیئر بتاتا ہے کہ فرید پور کا نام یا بابا فرید کے نام پر رکھا گیا ہے۔ یا روہیلوں کے گورنر فرید الدین کے نام پر۔ واللہ اعلم

(۴۱)۔ اسی طرح مختلف مقامات پر حضرت کے چلوں کی روایت ہے لاہور میں کچہری کے مغربی ٹیلے پر جائے اعتکاف ہے مگر اب اس کے اردگرد سنٹرل کالج وغیرہ کی عمارتیں بن گئی ہیں[1] اور یہ بھی مشہور ہے کہ کشمیر، مالوہ اور رنگون بھی تشریف لے گئے تھے۔

۶۔ دہلی ۶۱۹ھ: ایک مرتبہ میں مجلس شیخ میں حاضر تھا۔ جب باہر کی طرف دیکھتے تو ہر مرتبہ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ وجہ بتائی کہ باہر ایک معمر شخص بیٹھا ہے۔ جب اس پر نگاہ پڑتی ہے تو اس کے سفید بالوں کی عزت و تعظیم کی خاطر کھڑا ہو جاتا ہوں۔

۷۔ ۶۴۲ھ: سلطان المشائخ راوی ہیں کہ شیخ کبیر نے ذکر کیا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت قطب عالم رح کی جناب میں مجھ سے ایک گستاخی سرزد ہو گئی تھی۔ اس پر آج تک متاسف ہوں۔ میں نے چلّے کی اجازت طلب کی تھی۔ جواب دیا کہ ضرورت نہیں۔ ہمارے خواجگان نے شہرت کے لیے کبھی کوئی کام نہیں کیا۔" میں نے اس پر یہ کہہ دیا تھا کہ میری نیّت حصولِ شہرت کی نہیں۔ یہ سن کر حضرت نے سکوت اختیار کیا۔ اب

---

[1] سوانح حضرت بابا صاحب رح مرتبہ حضرت غلام دستگیر نامی رح

Marfat.com

میں سمجھا کہ میں نے بات ٹالنے کے لیے جو جواب دیا وہ گستاخی تھا۔ میں اپنے اس جواب پر شرمندہ ہوں۔ اللہ معاف کرے۔

اگرچہ تاریخی شہادت نہ مل سکی مگر جواہر فریدی

۸ویں ۶۲۰ھ: کی یہ روایت عام طور پر ورد زبان ہے۔ قیام دہلی کے آخر میں شیخ نے اپنی خدمت میں رکھ کر وضو کرانے کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ ایک مرتبہ رات کو آگ ختم ہو گئی۔ اور وضو کے لیے پانی گرم کرنا لازمی تھا۔ اس لیے اندھیرے منہ آگ کی تلاش میں باہر جانا پڑا۔ بستی کے ایک گھر میں آہٹ پائی تو دروازے پر جا کر آگ کا سوال کیا۔ صاحب خانہ نے دروازہ پر آ کر جھانکا تو ٹھٹکی کہ سائل کا بوٹا سا قد ہے۔ جسم میں موزونیت ہے۔ مخروطی چہرے سے تازگی ٹپک رہی ہے۔ پیشانی کی درخشانی خورشید کو مات کر رہی ہے۔ بادامی آنکھیں رس بھری ہیں اور ان سے نکلنے والی معصوم نظریں تیر و نشتر کا کام کر رہی ہیں۔ صاحب خانہ خوبصورت بلا کی تھی۔ لگاوٹ کے انداز میں پوچھنے لگی "کہیں آگ لگانا منظور ہے" یہ دُھن کے پکّے تھے: اپنے سوال پر مسلسل اصرار کرتے رہے۔ آخرکار اس عورت نے آگ کی قیمت طلب کی اور کہا آگ کا معاوضہ آنکھ ہے۔ تم مجھے آنکھ دیدو۔ میں تمہیں آگ دے دوں گی۔" مرشد کی محبت اور خدمت نے اس سودے پر آمادہ

Marfat.com

کر دیا۔ فوراً آنکھ نکال کر پھینک دی یا نکالنے کی کوشش میں پھوڑی۔ عورت ہکا بکا ہو کر سہم گئی۔ اور نادانی میں ترس کھاتے ہوئے آگ دے دی۔ جب وضو کرایا تو حضرت شیخ نے دریافت کیا یہ پٹی کیوں باندھی ہے"؟ عرض کیا آنکھ آئی ہے" ارشاد فرمایا۔ اگر آئی ہے تو کھول دو سوائی ہے۔" چنانچہ حلقۂ چشم میں آنکھ جلوہ گر تھی اور پہلے سے بڑی اور سوائی تھی۔ چنانچہ آج بھی یہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ فریدیوں کی بائیں آنکھ بڑی اور دائیں آنکھ چھوٹی ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ فرق کسی قدر غیر فریدیوں میں بھی ہوتا ہے مگر فریدیوں کے یہاں زیادہ ہوتا ہے۔

۹۔ ۶۲۱/۱۲۱۵ سنہ: کچھ دن بعد حضرت شیخ نے مجھے بار بار مناکحت کی تلقین کی۔ مگر شرم و ادب کی وجہ سے میں طرح دے جاتا تھا۔ آخر کار دریافت کیا کہ منکر از دواج کیوں ہو۔ ڈرتے ڈرتے کہنا پڑا کہ اگر اولاد نالائق نکلی تو قیامت میں اللہ تعالیٰ سے شرمندگی ہو گی۔ فرمایا جو اولاد اچھی ہو وہ تمہاری اور جو بُری ہو اسے اللہ جانے اور ہم جانیں۔ بس اب شادی سے گریز کی کوئی حجت نہیں ہو سکتی۔

کہنے کو تو یہ عام اور معمولی بات ہے لیکن راہ سلوک کا یہ ایک راز ہے۔ اہل سلوک منزل طے کرنے کے لیے لطائف کا اجراء ضروری سمجھتے ہیں۔ جب تمام لطیفے جاری کر لیے جاتے ہیں تو آخر

Marfat.com

میں لطیفۂ نفس کی باری آتی ہے۔ اور یہی تکمیل سلوک کا آخری درجہ ہے۔ لطیفۂ نفس کو جاری کرنے کے لیے مناکحت و شادی کی جاتی ہے۔ اس روایت کا مطلب یہی ہے کہ لطیفۂ نفس کے اجراء کی تاکید کی گئی تھی۔ سوائے جواہر فریدی کے کسی تذکرہ نگار نے شادی کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا ہے لیکن شیخ کی یہ ہدایت قاعدے کے اندر ہے اور اسی کو شادی کی تحریک و ترغیب سمجھا گیا ہے مسلسل تجرد یا تو سالک کو دنیا سے بے نیاز بنا دیتا ہے یا بعض اوقات نقصان کا باعث ٹھہرتا ہے۔ اس کا دفعیہ ازدواج سے ہی کیا جاتا ہے۔ جو حرارت تجذیبت کا باعث ہوتی ہے اس کا رُخ اسی طرح بدلا جاتا ہے اور کفر لطافت و بزرگی اسی میں ہے کہ در کفے جام شریعت ہو اور در کفے سندان عشق۔ تقدیر الٰہی بھی یہی تھی کہ بابا صاحبؒ مناکحت فرمائیں اور ان کی روحانی و معنوی اولاد کے ساتھ صلبی اولاد بھی دنیا کی زینت بنے۔ اسی وجہ سے حضرت شیخ کو سلوک کا درجۂ آخر طے کرانے کے لیے اُن کی شادی کے متعلق اصرار تھا اور کثرتِ اولاد ہی کی وجہ سے وہ اپنے خاندان کے آدم ثانی بھی مشہور ہوئے۔

۱۲۔ قیام ہانسی ۶۲۲ھ تا ۶۳۴ھ

جب حضرت شیخ نے حکم دیا کہ شادی کرنا چاہیئے تو شادی کی

Marfat.com

کی اور شادی ہی قیام ہانسی کا سبب بنی۔ متاہل ہونے کے بعد بارہ برس ہانسی میں گزارے۔ یہ سمجھنا کہ یہ مدت محض حضرت جمال ہانسوی رح کی محبت میں وہاں گزاری[۵۱] بعض قیاس ہے اس کو صحیح نہیں سمجھا سکتا اور یہ بھی ناقابل قبول ہے کہ یہاں کی بود و باش میں مجذوبیت کا غلبہ رہا۔ اس دوران میں نہایت ہوش و حواس کے ساتھ بیوی بچوں کی غور و پرداخت کی۔ علاؤ الدین علی احمد صابر کی ذمہ داری لے کر ان کو تعلیم و تربیت[۵۲] دی۔ اور حضرت نور ترک[۵۳] رح کے وعظوں میں شرکت بھی کرتے تھے اور ان کے کشف کے معترف تھے۔ جب پہلی مرتبہ مسجد میں ان کی مجلس وعظ میں چپ چاپ جا کر بیٹھے تو مولانا نے بھرے مجمع میں از خود اعلان کیا کہ آج ایک عالم متبحر اور واقف رموز نے تشریف لا کر ہمیں عزت بخشی ہے ان حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ مجذوبیت کی منزل طے کر لی گئی

---

۵۱ اخبار الاخیار۔ خزینۃ الاصفیا وغیرہ

۵۲ بی بی ہاجرہ نے صابر صاحب کو آٹھ سال کی عمر میں حضرت بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اس سپردگی کے لیے نہ کھوتوال موزوں ہے اور نہ دہلی۔ اس لیے کہ ان مقامات پر مجاہدات کی وجہ سے فرصت نہیں تھی۔ ہانسی ہی کا قیام مناسب ہے۔

۵۳ غالباً حضرت خواجہ بختیار کاکی رح کے مرید تھے۔

Marfat.com

تھی۔ یہاں نہ صرف اہل وعیال کی دیکھ بھال کی بلکہ حضرت جمال اور شیخ منتجب الدین کو بھی تعلیم و تربیت دی۔ دونوں کو پروان چڑھایا اور سیاحت بھی کی۔

ماہ ربیع الاول ۶۳۲ھ کی ابتداء میں بمقام دہلی حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ خود فرماتے ہیں کہ محفل سماع کی شرکت کے بعد ہانسی واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ ارشاد ہوا آج نہیں کل جانا۔ میں جانتا ہوں کہ آب ودانہ کی کشش تمہیں ہانسی جانے کے لیے مجبور کر رہی ہے اور تم ضرور جاؤ گے۔ تقدیر الٰہی کچھ اسی طرح ہے کہ میرے آخری سفر کے وقت تم میرے پاس نہ رہو اپنے شیخ کے وصال کے وقت میں بھی غیر حاضر تھا۔ تمہاری امانتیں قاضی حمیدالدین ناگوری سہروردی کو دے جاؤں گا۔ پانچویں روز آکر ان سے لے لینا۔" اس کے بعد میری دینی و دنیوی ترقی و استقامت کے لیے حاضرین سے سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھوائی۔ پھر مصلیٰ عطا کر کے مجھے دوگانہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے دن رخصت کرتے وقت وصیتیں فرمائیں کہ پیروں کی روش پر ثابت قدم رہنا۔ عاجزی اختیار کرنا۔ تکالیف و مصائب سے نہ گھبرانا۔ دنیا و آخرت میں تم ہی میرے رفیق ہو۔ میرا مقام درحقیقت تمہارا ہی مقام ہے۔ اس کے بعد بغلگیر ہو کر گریہ فرماتے ہوئے کہا، ھذا فراق بینی و بینک۔ خدا حافظ [1]

---

[1] فوائد الفواد وغیرہ

Marfat.com

یہ خیال کہ سجادگی کے متمنی قاضی حمیدالدین سہروردی ناگوریؒ تھے ۔ اس بیان سے ظاہر و ثابت نہیں ہوتا۔ وہ خود سہروردی خاندان کے صاحب سجادہ تھے۔ اسی طرح حضرت بدرالدین غزنویؒ کے متعلق بھی سجادگی کے دعویٰ کا گمان درست نہیں ہو سکتا کیونکہ ۶۱۲ھ میں ان کی موجودگی میں خلافت دی جا چکی تھی۔ اس سے پہلے حضرت غزنوی کا سجادگی کے متعلق کوئی تصور ہو تو ٹھیک ہو سکتا ہے ۔

ہانسی پہنچنے کے بعد ۱۴ و ۱۵ ربیع الاول کی درمیانی شب میں پیر و مرشد کے وصال کی خبر خواب میں ملی ۔ فرماتے ہیں کہ صبح کو روانہ ہو کر چوتھے دن دہلی پہنچا[1] مزار اقدس پر حاضری دی جس کے متعلق وصیت فرمائی تھی کہ سطح زمین سے بلند نہ کیا جائے پھر قاضی صاحبؒ نے جامہ ۔ عصا اور چوبین نعلین مجھے دیئے جامہ پہن کر دوگانہ ادا کیا اور سجادہ پر بیٹھا ۔ روایت تو سات دن

---

[1] ارشاد تو یہ تھا کہ پانچویں دن آنا مگر چوتھے دن دہلی پہنچے ۔ اس اختلاف کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ دہلی سے ۱۳ ر کو روانہ ہوئے پندرھویں شب میں خواب دیکھا۔ گویا ۱۶ کی رات میں دہلی آ گئے ۔ اور پانچویں دن ۱۷ ر کو انتقال حاصل کیں یا یہ کہ ۱۶ ر کو پانچواں دن تھا۔ دہلی و ہانسی کے درمیان تقریبًا ساٹھ میل کا فاصلہ ہے ۔

Marfat.com

کی بھی ہے۔ مگر شیخ کے دو لنگدے پر تین دن گذارے۔ جمعہ کی نماز کے لیے جب چوتھے دن باہر نکلے تو ہانسی کے مجذوب سرہنگا نے قدم پکڑ کر فریاد کی کہ "ہانسی میں آسانی سے زیارت ہو جاتی تھی۔ یہاں تو ملنا دشوار ہو گیا" یہ سنتے ہی ہانسی جانے کا اعلان کر دیا۔ ہر چند سب نے سمجھایا کہ شیخ کی جگہ خالی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ اور وہ خود کہہ گئے ہیں کہ ہمارا مقام تمہارا مقام ہے۔ مگر کسی کی نہیں سنی۔ اور یہ کہہ کر کہ جو نعمت عطا کی ہے اس کے لیے شہر اور جنگل دونوں یکساں ہیں[1]۔ هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ کی تلاوت کرتے ہوئے بعد جمعہ دہلی سے ہانسی کو چل دیئے۔

اس مرتبہ دہلی سے ہانسی پہنچ کر چند دن کے بعد دوسری شادی کی۔ اس کے بعد حضرت جمال اور شیخ منتجب الدین کو خلافت عطا فرمائی۔ پھر اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ خود بیان کیا ہے کہ حضرت سلطان الہندؒ[2] کے مزار پر اعتکاف کیا۔ عرفہ کی رات کو مزار پاک کے قریب بعد نماز عشاء جب پندرہ پارے ختم کر لیے تو آواز آئی کہ فلاں حرف پڑھنے سے رہ گیا۔ یہ حرف

---

[1] سیر الاولیاء

[2] صندلی مسجد کے عقب میں ایک زینہ حضرت خواجہ رحمۃ کے خام مزار کو جاتا ہے۔ باباصاحبؒ نے چلہ اسی جگہ کیا تھا۔ وہ کھڑکی اب تیغ کر دی گئی ہے چھٹی محرم کو اس زینہ کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور جائے اعتکاف کی زائرین زیارت کیا کرتے ہیں۔

Marfat.com

سورۂ مریم یا سورۂ کہف[1] کا تھا جو صحیح طور پر روانی میں ادا نہ ہو سکا تھا۔ لہٰذا اس سورہ کو پھر دہرایا اور اس حرف کو صحیح طور پر ادا کیا۔ جب پورا قرآن پاک ختم کر لیا تو پھر آواز آئی کہ اب ٹھیک ہے۔ دل میں خیال گزرا کہ خدا جانے میرا حشر کیا ہو تو فوراً تسکین دی گئی کہ ایسا شخص بخشے ہوؤں میں سے ہے۔ اس کے بعد دربار خواجہ علیہ الرحمۃ سے بہت سے روحانی انعام حاصل کر کے ہانسی آ گئے۔

عام شہرت ہے کہ حضرت بختیار کاکیؒ کا مزار سطح زمین کی برابر تھا کہ شاید کسی بزرگ کا قدم پڑے تو سعادت و برکت حاصل ہو مزار کی یہ بے نشانی حضرت بابا صاحبؒ کو شاق تھی۔ آخر کار روحانی اجازت مل گئی کہ عصر و مغرب کے درمیان میں مٹی ڈال کر بلند کر دو۔ برسات کا موسم تھا۔ جلد جلد حوض شمسی سے مٹی ٹوکروں میں لا کر ڈھیر کر دی۔ بعد مغرب جب مٹی کے ڈھیروں کو یکبار اور برابر کرنے کے لیے ہاتھ لگایا تو ممانعت کر دی گئی۔ مزار کو بلند کرنے کا تعین اجمیر شریف سے واپسی اور اجودہن کی روانگی کے درمیان میں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عیب کو چھپانے کے لیے غلاف

---

[1] سورۂ مریم سولھویں پارے میں ہے۔ یہ حرف جو پڑھنے سے رہ گیا سورۂ کہف کا ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا کسی ناواقف نے فوائد الفواد میں اضافہ کر دیا ہے کہ حرف سورۂ مریم کا یا سورۂ کہف کا تھا۔

Marfat.com

ڈال دیا گیا تھا۔ اور چاروں طرف اتنا چوڑا چبوترہ بنا دیا گیا کہ زائرین کا ہاتھ مزار تک نہ پہنچے۔ پھر برسات سے بچانے کے لیے شامیانہ بھی تان دیا گیا[1] اب ۱۹۳۵ء سے پہلے پختہ تعویذ بنا کر اس کے اوپر قبہ بنا دیا گیا ہے۔ جس کو ۴۷ء کے ہنگاموں میں پنجاب کے پناہ گزینوں نے تباہ کرنا چاہا مگر نہ کر سکے۔ جب گاندھی جی نے دہائی دی تو باز آئے۔

---

[1] مزار کے متعلق یہ روایت سن کر مجھے حیرت تھی۔ غالباً ۱۹۲۹ء میں وقت حاضری بائیں کی جانب دراز لیٹ کر میں نے اپنے ہاتھ مزار تک پہنچا دیئے۔ میری انگلیوں نے ہوش و حواس کے ساتھ مٹی کے مختلف ڈھیروں پر وہ نشانات محسوس کیے جو بھیگی ہوئی مٹی پر ٹوکری کے بن جاتے ہیں۔ اب میں کیسے سمجھوں کہ یہ روایت صحیح نہیں ؟

Marfat.com

۷

ازدواج و اولاد

صحیح طور پر نہیں بتایا جا سکتا کہ حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ کے کتنی بیویاں تھیں، کس خاندان کی تھیں اور ان کی تاریخ عقد و وفات کیا ہے۔ تین، چار اور پانچ تک کی گنتی گنائی جاتی ہے۔ سیر الاولیاؒ میں حضرت چراغ دہلویؒ سے منقول ہے کہ حرم بسیار بود۔ مگر خیر المجالس میں حضرت چراغ دہلویؒ ہی ناقل ہیں کہ دو حرم بود یا سہ حرم۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

خواجہ بختیار کاکیؒ نے شادی کرنے کا حکم اپنے وصال سے پہلے ۶۲۱ھ میں دیا تھا۔ چنانچہ شادی اسی زمانہ میں فوراً ہونا چاہیے تھی۔ مگر ظاہری تذکرے خاموش ہیں اور پتہ نہیں چلتا کہ تعمیل حکم کب کی گئی۔ تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ ایک شادی شیخ کے

Marfat.com

وصال کے بعد ۶۳۲ھ میں قیام ہانسی کے اواخر میں کی تھی۔ اور ایک شادی ۶۳۹ھ میں بمقام اجودھن ہوئی تھی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ شیخ کے حکم کی تعمیل شیخ کی حیات میں نہیں ہوئی۔ اور یہ بات جی کو نہیں لگتی کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے اور اسی پردے کو اٹھانا اور کھولنا ہے۔ ۶۳۲ھ والی شادی کی تفصیل قابل غور ہے کہا جاتا ہے کہ اس سال جن خاتون سے شادی ہوئی تھی۔ ان کا نام بی بی ہزیرہ خاتون یا خاتون بیگم تھا۔ اور وہ غیاث الدین بلبن کی صاحبزادی تھیں۔ عجیب معمہ ہے کہ سلطان غیاث الدین کی صاحبزادیوں میں اس نام کی کوئی صاحبزادی نہیں ہیں۔ اگر ہوتیں تو تاریخ ان کو فراموش و محو نہ کرتی۔ اب اگر بلبن کے متعلق تفتیش کی جائے اور اس کے حالات معلوم کیے جائیں تو اس کو سلطان شمس الدین التمش نے بخارا کے تاجروں سے ۶۲۸ھ کے بعد خریدا تھا۔ وقت خریداری اسے ناکتخدا ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ بعد خریداری وہ سلطانہ رضیہ کی ملازمت میں دے دیا گیا تھا۔ اور وہ سلطانہ کا میر شکار تھا۔ پھر ۶۳۷ھ سے کچھ قبل ریواڑی اور ہانسی کا گورنر بنایا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ التمش نے اپنی وفات سے کچھ پہلے اپنی ایک صاحبزادی کی شادی بلبن سے کر دی تھی۔ اور یہ شادی بہر حال جلد سے جلد ۶۲۹ھ کے بعد ہی قیاس کی جا سکتی ہے۔ اگر اس سے کوئی لڑکی پیدا ہوئی تو وہ لڑکی ۶۳۲ھ

Marfat.com

میں شادی کے قابل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا بلبن کی صاحبزادی سے شادی ہونے کا ہر آئینہ تصوّر غلط ہے۔ خدا جانے "تذکرہ نویسوں نے ایسی بے سر و پا بات کہاں سے لکھدی اور کیوں لکھدی۔ اور شبہ و مغالطہ کی وجہ کیا ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ بلبن کے متعلق حضرت باباصاحبؒ سے ملاقات کرنے کا واقعہ مع تفصیل کے تاریخ میں محفوظ ہے۔
۶۴۳ھ میں اوچ جاتے ہوئے جب بلبن اجودھن حاضر ہوا تو ملاقات کے کسی احوال سے نہیں معلوم ہوتا کہ وہ حضرت والا کا خسرلہ تھا۔ اس ملاقات میں از اوّل تا آخر اجنبیت ہی پائی جاتی ہے اس نے نہ اپنی صاحبزادی سے ملنا چاہا اور نہ اپنے نواسوں پر کسی طرح سے شفقت کا اظہار کیا۔ لہٰذا یہ کُل روایت شادی من گڑھت ہے۔ جب یہ غلط ہے تو بی بی ہزبرہ خاتون کی کنیزوں میں سے بی بی سیارو اور بی بی شکرد کا بھی داخل حرم ہونا مہمل ٹھیرتا ہے۔ کمال یہ ہے کہ کشفی تذکرہ بھی اس بے حقیقت روایت کی تصدیق و تائید کرتا ہے۔ اور اس میں اس موقع پر بلبن کا نام ولیعہد اور شاہزادے کے اضافوں کے ساتھ درج کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عہد شمسی میں کسی نے بھی اسے شہزادہ نہیں سمجھا چہ جائیکہ ولیعہد لکھا ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ ہزبرہ خاتون یا خاتون بیگم جن کے بطن سے وہ اولاد پیدا ہوئی جس سے سلسلۂ نسب چلا کون تھیں اور کہاں کی تھیں۔۔ اس سوال کا جواب کہیں سے نہیں ملتا۔ اور یہ معمّہ

Marfat.com

رازِ مخفی بن کر رہ گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ خوش عقیدہ لوگ دین کے بادشاہوں کا دنیوی بادشاہوں سے رشتہ ملانے میں کیا خوبی سمجھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ایک غریب سیدانی کا ان بزرگوں کی زوجیت میں آنا شہزادیوں کے زوجہ بننے سے زیادہ عظمت و شرافت کی دلیل ہے حقیقت اگرچہ خرافات میں غائب ہو گئی ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ خاتون بیگم کون تھیں مگر ان کے بطن سے جو اولاد منصۂ وجود میں آئی اس کی فہرست یہ ہے:۔

۱۔ حضرت شہاب الدین گنج علمؒ :۔ بعض نے ان کو فرزند اکبر لکھا ہے۔

۲۔ حضرت نظام الدین شہیدؒ :۔ عہد خلجی میں بمقام ایلنمبور شہید ہوئے۔

۳۔ حضرت بدرالدین سلیمانؒ :۔ بعض نے ان کو فرزند اکبر لکھا ہے۔

۴۔ حضرت محمد یعقوبؒ :۔ امروہہ جا کر مردانِ غیب میں شامل ہو گئے۔

۵۔ بی بی فاطمہ :۔ اہلیہ بدرالدین اسحٰقؒ :۔ مزار دہلی میں ہے۔

۶۔ بی بی شریفہ :۔ مشہور ہے کہ ان کو خلافت دینا چاہتے تھے مگر کشفی تذکرہ کے مطابق بچپن میں ان کا انتقال ہوا تھا۔

۷۔ شیخ عبداللہ بیابانیؒ :۔ مفسدوں نے بچپن میں شہید کیا۔ مزار پاکپٹن میں ہے[1]

---

[1] ان کا مزار جس قبرستان میں ہے وہ ان ہی کے نام سے موسوم ہے۔

Marfat.com

۸۔ بی بی مستورہ ؛ سن بلوغ میں یا بعدِ شادی انتقال ہوا۔ ان کے شوہر کا نام شیخ عمر صوفی بتایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

۹۔ بی بی ہاجرہ } حضرت کشفی تذکرہ نے یہ نام بتائے ہیں۔ انتقال
۱۰۔ بی بی زینب } شیر خوارگی میں ہوا۔

یہ طے کرنا کہ فرزند اکبر شہاب الدین گنج علم تھے یا بدرالدین سلیمان بہت مشکل ہے۔ کوئی روایت ایسی نہیں جس سے قطعی فیصلہ کیا جا سکے۔ سلطان المشائخ رح راوی ہیں کہ جس روز عوارف المعارف کسی نے نذر کی تھی اسی روز جو صاحبزادے تولد ہوئے تھے ان کا نام اس کتاب کے مصنف حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کے نام پر رکھا تھا۔ لیکن روایت میں مذکور نہیں ہے کہ یہ کتاب ہانسی میں نذر کی گئی تھی یا اجودہن میں۔ اگر ہانسی میں نذر کی گئی تھی تو فرزند اکبر حضرت گنج علمؒ ہیں لیکن اگر یہ کتاب اجودہن میں وصول ہوئی تو فرزند اکبر وہ ہیں جو ہانسی میں پیدا ہوئے یعنی بدرالدین سلیمان۔

ایک روایت ہے کہ بدرالدین سلیمان اور شہاب الدین گنج علم دونوں کو مرید خلفائے چشت گردانیدہ بود اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ اجودہن میں خواجہ عزیز اور خواجہ زور چشت سے ملاقات کرنے آئے تھے۔ یہ روایت بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ پھر یہ بھی مذکور ہے کہ فرزند اکبر نے کبھی دہلی جا کر حضرت بختیار کاکی رح کے مزار سے بیعت کی تھی۔ اور اس بیعت کو بقول حضرت سلطان المشائخ شیخ کبیر

Marfat.com

نے ناجائز قرار دیا تھا۔ مگر یہ اشارہ بھی کسی قسم کی وضاحت نہیں کرتا۔ عوارف المعارف کے عطیہ کے متعلق جواہر فریدی کا بیان ہے کہ سیاحت کے دوران میں وقت ملاقات شیخ الشیوخ سہروردی رح نے یہ کتاب یہ کہہ کر دی تھی کہ ایں را مطالعہ کنید کہ مخصوص برائے شما ساختہ ام۔ یہ بیان خارج از بحث ہونے کے علاوہ مبالغہ آمیز بھی ہے۔ بہر حال گو مگو کا معاملہ ہے۔ اگر کشفی تذکرہ کا بیان قابل قبول ہو سکتا ہے تو اس میں فرزند اکبر حضرت بدرالدین سلیمان رح کو بتایا گیا ہے لیکن یہ مُسلّم ہے کہ جملہ صاحبزادوں کے مشورہ سے بدرالدین سلیمان سجادہ نشین بنائے گئے تھے۔ حیرت ہے کہ باوجود فرزند اکبر ہونے کے حضرت شہاب الدین گنج علم رح کیوں دستکش ہوئے یا محروم رکھے گئے۔ اگر سجادہ نشینی کے مسئلہ پر توجہ کی جائے تو اسی سے فرزند اکبر ہونے کا فیصلہ ممکن ہے پھر کیا وجہ ہے کہ بدرالدین سلیمان رح ہی کو فرزند اکبر نہ سمجھا جائے۔

اب ۶۳۹ھ والی شادی کے اشکال یہ ہیں کہ سید قیام الحق مرید ہونے کے بعد ہجرت کرکے اجودھن میں آئے تھے۔ ۶۳۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے پسماندگان میں ان کی بیوہ اُم کلثوم بنت سیّد نثار علی تھیں اور ایک ڈیڑھ سال کے صاحبزادے نصیراللہ تھے ان کی بے کسی و بے بسی کی وجہ سے حضرت بابا صاحب رح ام کلثوم کو اپنے عقد میں لے آئے اور نصیرالدین کو متبنّٰی کرلیا۔ ان متبنّٰی کو

بعض نے فرزند اکبر لکھا ہے۔ مگر ان کا فرزند ہونا اور اکبر ہونا دونوں صحیح تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔ حضرت بی بی ام کلثوم کے بطن سے جتنی بھی اولاد ہوئی وہ صغر سنی میں ہی فوت ہو گئی تھی۔

اب یہ امر غور طلب ہے کہ شیخ کے حکم کے مطابق حیاتِ شیخ میں شادی کی یا نہیں۔ حکم شیخ اور اجزاء لطیفۂ نفس کا تقاضا یہ ہے کہ فوراً شادی کی گئی۔ اس کے متعلق کشفی تذکرہ کا بیان منفرد ہے۔ اور یقیناً صحیح ہے۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ پہلی شادی بی بی نجیب النساء سے ہوئی تھی۔ جو محمد عظیم شاہ صدیقی القریشی الملتانی کی دختر نیک اختر تھیں۔ زکریا شاہ ملتانی[1] کی ہمشیرہ تھیں۔ اس طرح شیخ کے حکم کی تعمیل شیخ کی حیات میں بے شبہ ہو گئی۔ زبان زد عام ہے کہ حضرت والا کی ایک صاحبزادی کی شادی حضرت مخدوم صابرؒ صاحب سے ہوئی تھی مگر صاحبان تذکرہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کونسی صاحبزادی تھیں۔ ورنہ پھیر کر قیاسی طور پر بی بی ہزہرہ خاتون کی صاحبزادیوں میں سے کسی نہ کسی کا نام لے دیتے ہیں۔ مگر کشفی تذکرہ کی یہ روایت واضح کرتی ہے کہ حضرت مخدوم کلیریؒ کی شادی جن صاحبزادی سے ہوئی تھی وہ بی بی نجیب النساء

---

[1] ان کو حضرت بہاؤالدین زکریا قریشی دا سدی رح نہیں قیاس کرنا چاہیے۔

Marfat.com

کے بطن سے تھیں - ان پہلی بی بی صاحبہ کی اولاد حسب ذیل بتائی گئی ہے۔

۱- خدیجہ عرف شرف النساء - اہلیہ مخدوم صابر رحمۃ اللہ علیہ۔

۲- اصغری
۳- نصری
۴- محمد نعیم الدین
۵- محمد سلطان الدین
۶- محمد فرید بخش

} بمقام ہانسی عالم طفولیت میں ان سب کا انتقال ہو گیا - معلوم نہیں ان کے مزارات کا کوئی نشان وہاں اب ہے یا نہیں۔

۷- محمد عزیز الدین: ایک مہمل روایت کے مطابق یہ جلال صابری کی نذر ہوئے۔

اس پہلی شادی کے متعلق کچھ نقشہ ایسا جمتا ہے کہ والدہ حضا نے کوٹھوال یا اس کے نواح میں یہ تقریب کی ہو گی۔ اور نجیب النساء کے والد کا تعلق یا کوئی سلسلہ ہانسی میں بھی ہو گا۔ جس کی وجہ سے اقامت کے لیے ہانسی کو پسند کیا۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے تین محل تھے۔

۱- بی بی نجیب النساء جن کی شادی ۶۲۱ھ میں ہوئی اور ان ہی کی وجہ سے ہانسی کی سکونت اختیار کی - یہ بی بی صاحبہ اجودھن ساتھ گئیں اور وہیں مزار ہے

۲- خاتون بیگم یا ہزیرہ خاتون - ۱۵ رجب ۶۳۴ھ کو عقد

Marfat.com

نکاح میں آئیں۔اجودہن ساتھ گئیں ۔ انہیں کی اولاد صاحب سجادہ ہوئی ۔ یہ بلبن کی صاحبزادی ہرگز نہیں تھیں ۔ مزار اجودہن میں ہے ۔

۳۔ بی بی اُم کلثوم ۔ یہ سید انعام الحق کی بیوہ تھیں ۔ ۶۲۹ھ میں ان سے نکاح کیا ۔ مزار اجودہن میں ہے ۔ ان کے صاحبزادے نصیرالدین کو فرزند کلاں کہنا قطعی غلط ہے ۔

تاریخی شواہد سے یہی نتائج نکالے جا سکتے ہیں ۔

واللہ اعلم بالصواب

Marfat.com

۸

اجودھن میں

سنہ ۶۳۵ ہجری

رفتار زمانہ اور گردشِ لیل و نہار کو کسی قانون و آئین کے تحت منضبط کرنے سے سائنس و فلسفہ عاجز و عاری ہیں۔ آزادی و بے نیازی کے ساتھ احوالِ عالم باطنی اصولوں پر ہمیشہ ہر آن بدلتا رہتا ہے۔ سنہ ۶۳۳ھ اور سنہ ۶۳۴ھ کے انقلابات سے ہندوستان کی تاریخ کا سینہ چاک ہے۔ دینی اور دنیوی دونوں سلطنتوں میں جو تبدیلی واقع ہوتی اس کی توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔ ۶ر رجب سنہ ۶۳۳ھ مطابق ۲۳ر مارچ سنہ ۱۲۳۵ء کو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز رح کا وصال ہوا۔ ۲۰ر شعبان سنہ ۶۳۳ھ مطابق

Marfat.com

۱۰ رمئی ۱۲۳۵ء کو سلطان دہلی شمس الدین التمش نے انتقال کیا۔ قطب عالم خواجہ بختیار کاکی رح نے ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ مطابق ۱۰ رنومبر ۱۲۳۵ء کو رحلت فرمائی[1] ان روح فرسا حادثات میں کسی طرح آپس میں نہ کسی قسم کا لزوم ہے اور نہ تعلق اور نہ کسی حادثہ کا نتیجہ۔ دوسرے حادثہ کا سبب گردانا جا سکتا ہے۔ مگر نتیجۂ انقلاب یہ ہوا کہ اپنی اپنی نوعیت سے دونوں نظاموں میں خود بخود تغیر واقع ہو گیا۔

تغیر پر غور کیا جائے تو دنیوی سلطنت خود تنزل دنیا ہی کی شہادت دے رہی ہے لیکن برخلاف اس کے روحانی نظام میں استحکام ہوا اور ترقی کی رفعت پر پہنچا۔ یہی نہیں بلکہ اس عہد کی تاریخ گواہ ہے کہ دنیوی سلطنت کی ڈوبنے والی کشتی کی روحانی بادشاہوں نے ناخدائی کی اور ڈوبنے سے بچایا۔ بابا صاحب علیہ الرحمۃ اور اُن کے خلفاء کے کارنامے اس دعویٰ کی تائید کر رہے ہیں۔ سلطان التمش نے اپنی وفات سے تقریباً چار برس پہلے فتح گوالیار کے بعد ۶۲۹ھ / ۱۲۳۲ء میں خوب غور و خوض کے بعد اپنی صاحبزادی رضیہ کو جانشینی کے لیے نامزد کیا تھا[2] اور نامزدگی

---

[1] اس طرح اس روایت کی کہ حضرت بختیار کاکی رح کی نماز جنازہ التمش نے پڑھائی تھی قطعی تردید ہو جاتی ہے۔

[2] طبقات ناصری منہاج السراج۔

Marfat.com

سے کچھ قبل بخارا کے تاجروں سے بلبن کو خریدا تھا [1] سلطان کی آنکھ مُندتے ہی اُمرائے دربار اور ترکانِ چہل گانی نے وصیت کو پس پشت ڈال دیا۔ اودھ۔ بدایوں۔ ہانسی۔ ملتان اور لاہور کے گورنروں نے مخالفت کی۔ پھر تاج الملک محمود جنیدی وزیراعظم نے بھی آنکھیں بدل کرا علان کر دیا۔ کہ عورت کاروبار سلطنت سنبھالنے کی اہل نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد علماء کو فتویٰ جاری کرنے میں کیا تکلف ہو سکتا تھا۔ متفقہ طور پر رضیہ کا سوتیلا بھائی رکن الدین فیروز شاہ، ۲۱ شعبان ۶۳۳ھ مطابق ۸ مئی ۱۲۳۵ء کو سریر آرائے تخت دہلی ہوا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے رضیہ کے خلاف صوفیہ کی بھی شہادت پیش کر دی۔ لکھتے ہیں [2] کہ تقریباً اسی زمانہ میں جب قدر التمش نے رضیہ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تھا [3]۔ بابا فرید گنجشکر رح اپنی لڑکی بی بی شریفہ کو اپنا خلیفہ بنانے کے متعلق سوچ رہے تھے۔ ...... لیکن روحانی اصلاح و تربیت کی ذمہ داری ایک عورت بعض مجبوریوں کی بناء پر نہیں اُٹھا سکتی۔ اس لیے بابا صاحب رح یہ فرماکر خاموش ہو گئے

[1] طبقات ناصری منہاج السراج۔
[2] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات صہ ۱۳۵ تا ۱۳۶۔
[3] یعنی ۶۲۹ھ میں۔

Marfat.com

کہ اگر عورت کو خلافت اور مشائخ کا سجادہ دینا مناسب ہوتا تو میں بی بی شریفہ کو دیتا۔" کاش پروفیسر صاحب "اسی زمانہ" کے بجائے "زمانہ مابعد" کے الفاظ لکھتے تو مناسب اور موزوں ہوتا۔ کیونکہ ۶۲۹ھ میں نہ بی بی شریفہ کا وجود تھا اور نہ ان کی والدہ حضرت بابا صاحب رح کے عقد نکاح میں آئی تھیں۔ پھر اس توجیہہ کو بھی صحیح نہیں سمجھا جا سکتا جو حضرت بابا صاحب رح سے منسوب کی گئی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ خواجہ بزرگ رح اپنی صاحبزادی بی بی حافظہ جمال کو اپنی خلافت مرحمت فرما چکے تھے۔ اور ان کا اسم گرامی حضرت کے خلفاء کی فہرست میں موجود ہے۔ قطع نظر اس کے حضرت سلطان المشائخ راوی ہیں کہ اندرپت (دہلی) کی ایک پاکدامن بی بی کے متعلق شیخ کبیر فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ عورت مرد ہے جو عورت کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ پھر وضاحت کے طور پر فرمایا تھا کہ جب کوئی شیر جنگل سے نکلتا ہے تو اس کے متعلق کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ نر ہے یا مادہ۔ اصل معیار طاعت و تقویٰ ہے خواہ مرد اس سے مزین ہو یا عورت" [۱] مولانا رح کا ارشاد ہے کہ:۔

ہر کہ می کوشد۔ گر او مرد و زن است
گوش زچشم شاہ جان بر روزن است

---

[۱] فوائد الفواد

اور سب سے زیادہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ کا بیان وقیع ہو سکتا ہے کہ اولیاء اللہ میں ہمیشہ ایک مرد یا ایک عورت صاحب مقامات ہوتے ہیں۔ (فصوص الحکم)

اس سے معلوم ہوا کہ صوفی علماء کے اس فتوے کی تائید نہیں کر سکتے۔ بہر حال اس چپقلش میں رضیہ خاموش رہنے والی نہ تھی۔ اسے اپنی اہلیت کا ثبوت دینا تھا۔ باپ کی وصیت کو صحیح ثابت کرنا تھا۔ لہذا فیروز شاہ کی غیر معقولیت دیکھ کر اور بزرگوں کی توجہ حاصل کر کے اس نے اپنا حق حاصل کر لیا۔ تعجبات سے ہے کہ لکھنوتی سے لے کر دہلی تک کے گورنروں نے اس کی موافقت کی۔ اور التمش کے انتقال سے چھ ماہ اٹھائیس دن بعد ۲۸ ربیع الاول ۶۳۴ھ کو تخت دہلی سلطانہ رضیہ کے قدموں کے نیچے تھا۔ التمش کی وصیت عملی صورت سے پوری ہوئی۔ رضیہ نے حضرت جمال ہانسویؒ سے دعا کی استدعا کی تھی اور انہوں نے حضرت بابا صاحبؒ سے اجازت لے کر دعا فرما دی تھی[1] مگر فتنہ جو اٹھ کھڑا ہوا تھا وہ رنگ لایا۔ اور نوع دگر خوب اچھلا۔ جوڑ توڑ شروع ہو گئے اور خون کے دریا بہا دیئے گئے۔ ماحصل ان فاتیات اور تنازعات کا یہ ہوا کہ ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ میں سلطنت دہلی پر خلجیوں کا قبضہ ہو گیا۔

---

[1] تذکرۂ کشفی۔

Marfat.com

اب اس کے برخلاف روحانی انتظام میں جو تبدیلی واقع ہوئی وہ محض اتنی کہ چشتی مرکز دہلی سے منتقل ہوکر اجودھن میں قائم ہوا۔ اس کو کسی طرح انحطاط نہیں کہا جاسکتا۔ یہ تبدیلی سلطنت کے خوف یا دخل سے نہیں ہوئی تھی بلکہ اس میں بہت سے راز مضمر تھے۔ مثال کے طور پر دہلی کا دل سیاہ ہوگیا تھا۔ وہاں تبلیغ کامیاب نہیں ہو سکتی تھی اور پنجاب و سندھ کے نواح میں تبلیغ کی سخت ضرورت تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تبدیلیٔ مرکز سے نظام چشتیہ نے کتنی ترقی کی۔ اور کتنے مُردہ دلوں کو زندہ کیا۔ یہ خیال کہ دہلی کو ہدایت سے محروم کردیا یا دہلی کو اپنی عزلت پسندی کی وجہ سے ترک کیا لایعنی بات ہے۔ دہلی میں اس کی اصلاح کے لیے اپنے محبوب خلیفہ حضرت سلطان المشائخ کو متعین کیا تھا۔ انہوں نے دہلی آکر بیس برس بعد اپنی روحانیت سے دہلی میں صلاحیت پیدا کی اور پھر اُجالا پھیلا دیا اور ان کی کامیابی سے اپنے اور غیر انکار نہیں کرسکتے۔
سلطان رکن الدین فیروزشاہ کے مارے جانے کے دس گیارہ دن پہلے ۱۷ ربیع الاوّل شریف ۶۳۴ھ کو حضرت بختیار کاکی اوشی قدس سرہٗ العزیز کی مسند خلافت پر حضرت فریدالحق فرید فرد ۲۷ جلوہ آرا ہوئے تھے۔ نورِ باطن سے اُنہوں نے ملاحظہ فرمالیا تھا کہ فرائض سجادگی ادا کرنے کے لیے نہ دہلی ٹھیک ہے نہ ہانسی اور نہ لاہور۔ لہذا تبدیلیٔ مرکز کی خالص وجہ تبلیغ و اشاعت ہی ہوسکتی ہے۔ خدا جانے سرہنگا

Marfat.com

مجذوب کو کونسی ایسی بیتابی تھی کہ پیچھے ہی پیچھے ہانسی سے دہلی چلا آیا یہ کہ اجودھن جانے کا مشورہ دینا چاہتا تھا یا ہانسی کو واپس لے جانا چاہتا تھا۔ یہ امر کہ اس کی ذاتی خوشی کی خاطر دہلی ترک کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ محض ایک طفلانہ بات ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ قطب جمال یا اہلیہ صاحبہ نے مجبور کرکے سرہنگا کو واپس بلانے کے لیے بھیجا ہو گا جمال صاحب نے اس لیے کہ ہانسی کو فروغ ہو اور اہلیہ صاحبہ نے اس لیے کہ دہلی میں خون خرابے ہو رہے ہیں۔ اس دیوانہ کو اس لیے پیغامبر بنایا کہ وہ منہ چڑھا تھا اور سب کچھ کہہ سکتا تھا لیکن اگر سرہنگا ہی کی خوشنودی کو ترک دہلی کا سبب سمجھا جائے تو وہ ہانسی کے قیام پر کب راضی ہوئے۔ بلکہ یہ واقعہ ہے کہ سرہنگا خود ان کے ساتھ اجودھن کو گیا۔ اب اگر خلوت پسندی اور خلقت سے بیگانگی کو سبب ہجرت قرار دیا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ متاہل ہو جانے کے بعد سالہا ہی سے مجذوبیت کا غلبہ نہیں رہا تھا اور رجوع خلق کی وجہ سے خلقت سے بیگانگی کی عادت چھوٹ چکی تھی۔ یار لوگوں کی عادت ہے کہ چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند۔ لہذا داستان گھڑ لی اور بس۔

ظاہر ہے کہ سلطان شمس الدین کی وصیت کی مخالفت دہلی کی خرابی و تباہی کا باعث بنی۔ امراء کی گندی سیاست اور اہل تدبیر کی نفسانیت نے فضا بگاڑ دی اور قلوب میں اتنی گنجائش نہیں رکھی کہ انسانیت و اخلاق سے بہبودی و فلاح کی صورت نکالی جا سکتی۔

Marfat.com

سازشوں کا فیصلہ جنگ و جدال ہی سے ممکن تھا۔ چنانچہ گھرپہ نمک تماشا دکھا دیا گیا۔ جی بھر کر خون کی ہولی کھیلی گئی۔ جب دہلی والوں میں شعور نہیں رہا تو ایسی زمین تبلیغ کو راس نہیں آسکتی تھی۔ اسی لیے احباب کو جواب دیا تھا کہ فرائض سجادگی ادا کرنے کے لیے شہر اور جنگل یکساں ہیں۔ اس لطیف جواب سے اگر معکوس ذہنیت یہ خیال کرے کہ روحانیت مادیت سے زیر ہوگئی تو اس کا کیا علاج و جواب ہے۔

دہلی سے رخصت ہونے کے بعد ہانسی پہنچ کر حضرت جمال رح کو خلافت عطا فرمائی[1] اور یہ بھی کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے کہ اسی دوران میں شیخ منتجب الدین رح کو بھی خلافت سے نوازا تھا۔ اس کے بعد اجمیر شریف جا کر خواجۂ بزرگ رح کے مزار پر حاضری دی اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کی استدعا کی۔ وہاں سے واپس آکر سلطانہ رضیہ کے ابتدائی عہد ۶۳۵ھ میں فتح مکہ کی تقلید اور اتباع سنت کے تحت اس جگہ کا رخ کیا۔ جہاں پیدا ہوئے تھے۔ جہاں نشو و نما پائی تھی جہاں تعلیم کی ابتداء پڑی تھی۔ لیکن بجائے کھتوال کے اس کے قریب اجودھن کو قیام کے لیے پسند کیا۔ یہیں سے فرائض سجادگی ادا کیے اسی جگہ اولاد کی تربیت و تعلیم ہوئی اور بالآخر یہی جگہ ان کی آخری قیام گاہ بنی۔

راویانِ قدیم کے خلوصِ نیت اور للہیت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا مگر کمالات و کرامات یہ ہیں کہ ایک ہی زبان میں دو متضاد روایتیں بیان

[1] سیر العارفین۔ اقتباس انوار

فرما دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خلوت کی غرض سے اجودھن گئے تھے۔ اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ اجودھن میں غضب کی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اجودھن کو کفرستان بتاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی انکشاف ہے کہ وہاں مسجد تھی اور عامل و قاضی مسلمان تھے۔ تاریخ کہتی ہے کہ اجودھن سلطان ابراہیم غزنوی نے سب سے پہلے ۴۷۲ھ میں ہنود سے فتح کیا تھا۔ اس وقت سے یہ بستی مسلسل تاجداران دہلی کے تحت و تصرف میں رہی۔ ظاہر ہے کہ یہاں مسلمانوں کی آبادی مع اپنی جملہ خصوصیات کے موجود تھی۔ لہذا وہاں پہنچ کر تراتفی سجادگی کا تقاضا تھا کہ خلقت سے میل جول رکھی جائے۔ جس طرح عبادت کے لیے خلوت کی ضرورت ہے اسی طرح تبلیغ جلوت کی مقتاضی ہے ایک جوہر جب آغوش خلوت میں نشو و نما پا لیتا ہے تو اس کی قوت نمو اسے آشکار ہونے کے لیے مجبور کرتی ہے۔ جلوت و نمائش اگرچہ پریشانی کا باعث ہوتی ہے۔ مگر یہی تکلیف و پریشانی زندگی سے موسوم کی جاتی ہے اور اسی سے زندگی کا زوال بنا کرتی ہے۔ دنیا کی رونق و زینت کا سبب "نیں" ہے۔ اگر "نیں" نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہو۔ اور یہ "نیں" مثبت بھی ہوتا ہے اور منفی بھی۔ اس کا رخ روحانیت کی طرف بھی ہوتا ہے اور نفسانیت کی جانب بھی۔ "نیں" کا مقام انسان کا قلب ہے مگر قلب کو رحمٰن کا عرش بھی بتایا جاتا ہے اور خناس کا تخت بھی۔ "نیں" کتنا ہی کا بہا

Marfat.com

ہو مگر وقعت نہیں رکھتا۔ جب تک اس میں توازن نہ پیدا ہو۔ اوہام و شکوک جب دُور ہو جاتے ہیں تو یقین پیدا ہوتا ہے اور یقین سے ہی معراج حاصل ہوتی ہے۔ جب ایسا ہو جاتا ہے تو خلوت و جلوت کا امتیاز مٹ جاتا ہے اور یہ "میں" خود تقدیر الٰہی بن جاتا ہے۔ اہل دنیا اور سلاطین جب اس "میں" کی تقویت پر ترقی کرتے ہیں اور اہل اللہ اس "میں" کے پروں پر اُڑ کر معراج حاصل کرتے ہیں تو ان دونوں میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ دونوں میں بُعد عظیم ہے۔ وہاں جنگ و فساد ہے اور یہ دردِ سر کوئی مستقل صورت اختیار نہیں کرتا۔ مگر روحانیت والوں کو اطمینانِ کلی حاصل ہوتا ہے۔ ان کے کارنامے صلح و آشتی سے معمور ہیں اور مستقل ہیں۔ تعلیم خودی کے متوالے اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور اس سے گریز نہیں کر سکتے۔ اب یہ کہ منفی کو مثبت کیسے بنایا جاتا ہے تو یہ اپنا اپنا طریقہ ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:۔ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط

اس طرح روح کو نفس سے پاک کرنے کے بعد اظہار خودی کا حق حاصل ہوا کرتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم عشق کے قائل ہیں مگر وہ اپنی نظر فکری کو امر ذوقی نہ بنا سکے۔ وہ ماسوی میں اُلجھ کر رہ گئے۔ ان کی فنائیت آگے نہ بڑھ سکی۔ اپنے روحانی اُستاد مولانا روم کے قول تک شریک و دمساز رہے اور فناء اضطراری

Marfat.com

پر وہ مطمئن ہو گئے مگر احوال باطن تک ——— رسائی نہ ہو سکی۔
خلوت و جلوت کی تعریف تصوف و طریقت سے بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ خلوت میں تمام توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اس سیرِ سلوک کو "عروج" "سیر الی اللہ" یا "سیر فی اللہ" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لیکن جب سیر کرنے والے سے دنیا کی اصلاح کرانا مقصود ہوتی ہے تو سالک کی توجہ مخلوق کی طرف پھیر دی جاتی ہے کیفیتِ فراق میں ایسا شخص ماہیٔ بے آب کی طرح مضطر رہتا ہے اور اس کے قلب پر وحشت طاری رہا کرتی ہے۔ اس قسم کے سیر کو "نزول" یا سیر من اللہ باللہ کہا جاتا ہے۔ اسی کا دوسرا نام "جلوت" ہے۔ روحانی طور پر خلوت و جلوت کی اتنی ہی وضاحت کی جا سکتی ہے بہر حال اجودھن پہنچ کر روح روحانیاں۔ شہباز خودی کو اپنی نمائش کر کے لنگرِ عالم بننا تھا۔ خودی کی اصلی صورت دکھا کر اپنی خودی کے زور پر "معکوس انسانیت" یا منقلب ذہنیت کا تخم سوختہ کرنا تھا تاکہ رضائے معبود سمجھی جا سکے۔ اور اس طرح اصلی خودی کی خدائی کا ڈنکا پٹینا تھا۔ یہ اظہار خودی ظاہری اسباب پر مبنی نہیں تھا۔ وعظ و تذکیر اور جلسہ و جلوس کا محتاج نہ تھا۔ اور نہ اس کے لیے دولت و ثروت کی ضرورت تھی۔ روح کی قوت کارفرما تھی۔ تسخیر جو کی گئی وہ محض نگاہ سے کی گئی اور یہ نگاہ اس آنکھ کی تھی جو مرشد پر قربان کر دی گئی

Marfat.com

تھی اور مرشد کی دعا سے رب الارباب نے دوبارہ مرحمت فرما دی تھی۔ لیکن آنکھ محض آلہ ہے۔ مخزنِ روشنی نہیں ہے۔ مخزن دراصل قلب ہے۔ قلب کی روشنی پشتِ دماغ سے ٹکرا کر آنکھ کے ذریعہ ظاہر ہوا کرتی ہے اور آنکھ کو بینا بنا دیتی ہے۔ بینائی اور تصور کی یہی حقیقت ہے۔ آنکھ بند کر لینے سے مخزنِ نور کی درخشاں جھلک محسوس ضرور ہوتی ہے مگر اصل بینائی اور تصور وہی ہے جو کھلی آنکھ سے ہو۔ اور بہترین تصور اس کو کہتے ہیں جو دل میں ہو اور آیت نور کی تصویر کھینچ دے۔ حضرت بابا صاحب رح نے سیر و سیاحت کر کے دنیا کی خودی کا معائنہ کیا تھا۔ اب گوشہ میں بیٹھ کر دنیا کو اپنی خودی کا نظارہ کروا تا تھا۔ خلوت انجمن بن گئی۔ صدیاں گزر گئی ہیں اور گزرتی رہیں گی مگر اُن کی خودی کی نورانیت چمکتی رہی ہے اور انشاء اللہ چمکتی رہے گی۔ نورانیت بھرے قلب نے جب ہانسی کو خیرباد کہا تو وہاں کی فضا سینہ کوبی کر کے رہ گئی کوچ جو کیا تو خلاف معمول اس مرتبہ لشکر ساتھ تھا جس میں حضرات ذیل شامل تھے۔ دو ازدواج سیدہ بی بی نجیب النساء اور سیدہ بی بی ہزبرہ خاتون۔ ان دونوں کے کمسن بچے۔ علی احمد صابر۔ جمال ہانسوی۔ نجیب الدین متوکل۔ سرہنگا مجذوب۔ اور دیگر حلقہ بگوشش۔ اس لشکر کے سامان میں گدڑیوں کی وردیوں کے علاوہ بے پایاں توکل تھا۔ روٹی کپڑا

Marfat.com

اگرچہ زندگی کے لوازم ہیں۔ لباس و طعام سے ہی دنیا کی زینت ہے اور ان کے ہی تکلفات عزت و عظمت کی دلیل سمجھے جاتے ہیں مگر روٹی کپڑے ہی کی وجہ سے انسان کو ذلت و رسوائی بھی نصیب ہوتی ہے اور ان ہی کی وجہ سے ظاہر اجسام و ارواح پر کثافت و غلاظت بھی آ جاتی ہے۔ ازل میں جب آدم علیہ السلام نے شجر ممنوعہ کا پھل تناول فرمایا تو لباس سے محروم ہونا پڑا اور جنت سے بھی نکالے گئے۔ اس مادی دنیا میں از آں دم تا ایں دم طعام و لباس کی فراہمی ہی فتنہ و فساد کی بنیاد قرار پائی۔ ہمارے موجودہ ترقی یافتہ عہد میں روٹی کپڑے کی بہتات کی کوشش کا نام تہذیب و آزادی ہے اور دعویٰ ہے کہ گھر گھر دودھ کی نہریں پہنچا دی جائیں۔ لیکن اس تہذیب و آزادی میں اسی کی وجہ سے سکون عنقا ہے اور یہ گویا فتنہ و فساد، چوربازاری اور رشوت ستانی کی منقلب شدہ صورت ہے۔ برخلاف اس کے صوفیہ ان تکلفات سے بے نیاز ہیں۔ ان چیزوں کے جنجال میں نہیں پڑتے۔ اور وہ غم دزد و مصیبت کالا سے آزاد ہو کر نہایت اطمینان سے زندگی گزارتے ہیں۔ وہ اپنے عقیدہ و عمل کی تقویت پر خود نہیں کھاتے اور پہنتے بلکہ دوسروں کو کھلا کر اور پہنا کر خوش ہوتے ہیں۔ ان کے عقیدہ و عمل کے دونوں اجزاء کو محض ایک لفظ "تقویٰ" سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ اسی اصول

Marfat.com

پر توفیق، اعتماد اور قناعت کے اسلحہ سے مزین جب یہ لشکر اجودہن پہنچا تو آبادی سے باہر مغربی جانب ایک ویران مسجد اور سایہ دار اشجار کو اپنی فرودگاہ بنایا۔ آیند و روند دور سے دیکھ دیکھ کر گزر گئے۔ اس بے اعتنائی کا سبب یہ نہیں تھا کہ قابلِ اعتنا نہیں سمجھا بلکہ درویشوں کی خستگی کے رعب و جلال سے وہ دم بخود تھے۔ عرصہ تک جھال اور پیلو نے اس لشکر کی تواضع کی۔ پھٹی ہوئی گدڑیوں میں سی سی کر پیوند لگائے جاتے رہے۔ سالار لشکر کو یہ فکر تھی کہ اپنی خودی کا مظاہرہ کس طرح کریں کہ ماحول درست ہو۔ انہوں نے وعظ نہیں فرمایا۔ جلوس نہیں نکالے۔ جلسے منعقد نہیں کیے۔ حکام و عمال سے مدد نہیں لی۔ بلکہ خاموشی سے مصروفِ عبادت رہے۔ قرآن کی تلاوت کی۔ سجدے کیئے۔ دعاؤں سے عرش کے پائے ہلا ڈالے۔ ظاہری عقل عبادت کی باطنی حقیقت سے آشنا نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ایسی عبادت سے کچھ نہیں ہوتا۔ مقصودِ عبادت عمل ہے! بے شک ہے مگر کیا کیا جائے کہ سمجھ سمجھ میں فرق ہے اور عمل، عمل میں اختلاف ہے۔ اس فرق و اختلاف کو واضح کرنے کے لیے چند مثالیں حاضر ہیں۔ فرعون کا عمل دنیوی تمکن کے لیے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عمل سے اسے باطل کر دکھایا اور غرق نیل کر دیا۔ ہارون علیہ السلام کا عمل خالص تھا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں سامری نے گائے کا بچھڑا بنایا

Marfat.com

ہارون علیہ السلام نے ہرچند سمجھایا مگر قوم بہک کر بچھڑے کی پوجا کرنے لگی۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی پر بلے طرح برس پڑے اور ہارون علیہ السلام نے اسے برداشت کیا۔ اصحاب رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی میں نہیں بلکہ عشرۂ مبشرہ تک میں اختلاف رونما ہوا۔ اس کو ہرچند خطائے اجتہادی سمجھا جائے مگر اختلاف تو ہو کر رہا قلب سلیم اس قسم کے جائز و ناجائز اختلاف کو سمجھ کر اپنے لیے راہ عمل بنایا کرتا ہے۔ بہرحال یہ فطری اختلاف ایسے ہیں کہ سلجھائے نہیں سلجھتے۔ ضرورت ہے کہ بجائے اُلجھنے کے اپنی خیر منائی جائے یہی اختلاف فرقہ بندیوں کی جڑ ہیں۔ لہذا رضائے الٰہی کو سمجھنے کی سخت ضرورت ہے اور یہ سمجھ عبادت کے باطنی معنی سمجھنے سے آتی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے وضاحت فرمائی ہے کہ طریقۂ ابراہیمی سے علم و اعتقاد پختہ ہوتا ہے۔ اللہ کی نشانیوں اور نعمتوں کی وجہ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور عبادت کا شوق بڑھتا ہے۔ آگے بڑھ کر "تذکیر بایام اللہ" کو موسوی طریقہ بتایا ہے جس سے گناہوں کے خوف اور خدا کی اطاعت کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ آخری طریقۂ محمدی ہے جس میں حوادثِ قبر و مابعد کے خوف و بشارت کا اضافہ ہے اس طریقہ میں نیکی و گناہ کا علم ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ ان سب کے ہر وقت ملاحظہ کرنے کی بھی ضرورت ہے تاکہ تمام اعضاء ان

Marfat.com

کے اثرات کی بجا آوری کر سکیں۔ عبادت الہی سے تائید حاصل ہوتی ہے اور توجہ امور حقانی کی طرف ہو جاتی ہے۔ چونکہ ظاہری عقل رسوم کے حجابات سے نہیں بچ سکتی ؎ لہٰذا تدبیر نافع کے ساتھ ذکر الہی کرنے سے یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے۔" چنانچہ اس لشکر کے سپہ سالار نے اپنا لائحہ عمل جو بنایا اس کی ابتداء "زنبیل گردانی" سے کی اور اسی کو تدبیر نافع سمجھا۔ یہاں کے صوفیوں میں غالباً حضرت بابا صاحب رہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علانیہ یہ طریقہ اختیار کیا۔ "زنبیل گردانی" کا مطلب یہی ہے کہ ازراہ عاجزی در بدر اور منزل منزل جا کر بھیک مانگی جاتے۔ یہ عمل گاہے گاہے ہوتا تھا اور عادت و معمول میں شامل نہیں تھا۔ اس مشغلہ میں بظاہر تبلیغ و اصلاح کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ اس سے صرف تعارف اور بے تکلفی پیدا کرنے کا مطلب لیا جا سکتا ہے۔ بہرحال اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ یہ سوال کی صورت ہے۔ اہل توکل کی شان سے بعید ہے اور حرام ہے۔ اس کو ہنود کے رشیوں اور سنیاسیوں کی تقلید کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے جائز قرار دینے کے لیے بتایا جا سکتا ہے۔ کہ "گدا آئینۂ

؎ حجابات کی تفصیل کے متعلق بتایا ہے (۱) طبعیت و نفس کے حجاب۔ (۲) رسم کا حجاب اور (۳) نافہمی کا حجاب

Marfat.com

جو دحق اللہ"۔ اسی لیے ارشاد ہے کہ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ لہذا سوال کو قطعی طور پر مذموم نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس میں بہتری کے بھی پہلو ہیں۔ اس سے نیک و بد کی آزمائش بھی ہو جاتی ہے۔ اصحاب صفہ دروازوں پر جا کر حدیث رسول سنایا کرتے تھے اور ان کی خاطر و مدارات کی جاتی تھی۔ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ارشاد ہے کہ" ان کے مال سے صدقہ کی تحصیل کرو جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ مدارک و بخاری نے بھی اسی امر کی تاکید کی ہے کہ صدقہ لینے والا صدقہ دینے والے کے لیئے دُعا کرے۔ مفسرین نے اس صدقہ کی تشریح فرمائی ہے کہ یا تو وہ صدقۂ واجبہ تھا یا اس سے مُراد زکوٰۃ ہے۔ اس کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ فرشتے۔ مردانِ غیب اور حضرت خضر کبھی کبھی مختلف بھیسوں میں دروازوں پہ پہنچا کرتے ہیں۔ اور صاحبِ خانہ کے سلوک کے مطابق اُن صاحبان کی حاضری مفید یا مضر ہوا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے ہدایت ہے کہ سائل کی تواضع کرنا چاہیئے۔ تین فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں رحمت ثابت ہوئے اور وہی حضرت لوط علیہ السلام کے یہاں پہنچ کر غضب الٰہی کا باعث بنے۔ غرض اسی طرح یہ اللہ والے لوگوں کا دل دیکھا کرتے ہیں۔ دلوں کو مسخر کرتے ہیں اور

Marfat.com

اپنے روحانی و اخلاقی اثرات سے روح عصری کی اصلاح کیا کرتے ہیں۔ یہ زنبیل گردانی نفس کی خاطر نہیں تھی بلکہ کارِ خیر کے لیے تھی۔ اس کے ذریعہ سے چشتی مسلک کو چمکانا تھا۔ چشتیہ فقر کے قائل ہیں اور غنا کو مزندی نہیں سمجھتے۔ فقر و غنا کے مسئلہ پر حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رح اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا میں بحثیں رہی ہیں۔ یہ حضرات بھیک میں چند چپاتیوں سے زیادہ نہیں لیتے اور اپنے یہاں لنگر خانہ جاری کر کے ہزاروں لوگوں کا پیٹ بھرا کرتے ہیں۔ اور اس طرح فکر روزی سے بے نیاز بنا کر لوگوں سے اپنی نگرانی میں عبادت کروایا کرتے ہیں۔ یہ دعا بھی کرتے ہیں اور دوا بھی تاکہ احتیاج اور نفس کی بُرائیوں سے نجات مل سکے۔ ورنہ یہ فاقے کرنے والے اور گھاس پھوس پر گزر کرنے والے روٹی کے لیے کبھی ہاتھ نہ پھیلاتے۔ آخر زمانہ میں جب فتوحات کا دروازہ کھل گیا تھا تو حضرت بابا صاحب کبھی کبھی زنبیل گردانی کے لیے سلطان المشائخ کو بھیج دیا کرتے تھے[1] غرض انہوں نے اس قسم کے اشکال اپنی خودی اور اپنے مسلک کے اظہار کے لیے ضروری سمجھے اور انہیں اصولوں کے ذریعہ اپنے علم و فضل کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح حدود شرعی جاری کرنے اور

---

[1] اسرار الاولیاء۔ فوائد الفواد

Marfat.com

طریقت کے اصول سکھانے میں جو کامیابی حاصل کی اہل عقل اور ظاہری علم رکھنے والے ان کی گرد تک نہ پہنچ سکے۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک دُکھیا عورت سر پہ دودھ کی مٹکی رکھے ہوئے ادھر آنکلی۔ اس نے اپنی بپتا سنائی کہ جوگیوں اور جادوگروں نے پریشان کر رکھا ہے۔ دودھ انہیں نہ دیا جائے تو دودھ میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ میں تم سے یہ کہنے آئی ہوں کہ یہ لوگ تم بیچاروں کو کہیں پریشان نہ کریں۔ اس بوڑھی کو محبت و اخلاق سے بٹھایا گیا۔ اس کی داستان ذوق و شوق سے سُنی گئی اور اس کی ہمدردی کا شکریہ ادا کرکے اسے تسلی دی کہ یہ جوگی حرام خور ہیں۔ لقمۂ تر چاہتے ہیں۔ ہم ان سے نہیں ڈرتے۔ خوب سُن لو کہ جس دل میں خدا کا خوف ہوتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرا کرتا۔ بلکہ دُنیا ایسے شخص سے ڈرا کرتی ہے۔ اگر ان جوگیوں کے بجائے اپنے دل میں تم خدا کا خوف پیدا کر لو تو وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے پھر یہ بھی سمجھ لو کہ جس نے جان دی ہے وہی حفاظت بھی کیا کرتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ کے بندوں کو کوئی ستا سکے۔ اس طرح اس کی ڈھارس بندھائی۔ وہ بیٹھی ہوئی سنتی رہی۔ سمجھی ہو یا نہ سمجھی ہو، مگر اسے کچھ ایسا سکون ملا کہ اپنی فکر و مصیبت بھول گئی۔ تاخیر ہو جانے پر جوگی کے چیلے اس عورت کی تلاش میں یہاں آپہنچے۔ وہ سہمی اور ڈری مگر ان چیلوں کو بھی میٹھی میٹھی باتیں

Marfat.com

کرکے بچا لیا اور فہمائش کی کہ روزی کے لیے کسی پر جبر و ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ جو روزی مارے باندھے سے ملتی ہے وہ زہر بن جاتی ہے۔ پیدا کرنے والا خود روزی کا ذمہ دار ہے۔ وہ اپنے بندوں کو خود روزی دیا کرتا ہے۔ اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ رزق ہر شخص کی پیدائش کے ساتھ اترا کرتا ہے۔ پہلے دن کے بچہ کو دودھ کون پلاتا ہے۔ وہ اپنی روزی کے لیے ہاتھ پیر بھی نہیں مار سکتا۔ یہ چیلے بھی ایسے بیٹھ کر جانے کا خیال تک نہ رہا استنے میں غیظ و غضب میں بھرا ہوا جوگی خود وہاں آ پہنچا۔ جوگی سوئے مزاجی کا اظہار کرنا چاہتا تھا اور آپے سے باہر تھا۔ اس جرم پر کہ ہمارے آدمیوں کو بچا لیا ہے اور یہ سمجھ کر کہ ہمارا دودھ بھی چھین لیا ہے کہ کچھ منتر پڑھ کر مجمع کو اڑا دینا چاہتا تھا مگر کچھ ایسا ہوا کہ منتر حافظہ سے محو ہو گئے۔ سمجھا یہ گیا کہ غصہ اور جوش کی وجہ سے حافظہ نے کام کرنا چھوڑ دیا اور منہ سے منتر کے الفاظ نہ نکل سکے مگر واقعہ یہ تھا کہ نفسانیت کا جادو روحانیت کی خودی کے سامنے زیر ہو گیا تھا۔ اپنی اس سراسیمگی پر اس کا سر چکرایا۔ حیرانی و پریشانی اس کے قلب پر چھا گئی۔ جب کچھ نہ بن پڑا تو سرنگوں ہو کر قدم پکڑ لیے۔ اور سر بگرد رگڑ کر معافی مانگنا شروع کر دی۔ کچھ دیر کے بعد اس سے توبہ کروائی گئی۔ وعدہ لیا گیا کہ اب لبستی کو دق نہیں کرے گا۔ پھر معافی دی گئی۔ عورت اپنے

Marfat.com

چیلے گرو کی لمبی لمبی دیکھ کر اچنبھے میں آ گئے۔ اور متحیر تھے کہ اب اس کا زور کیا ہوا۔ جب اس طرح علانیہ قوت و سطوت کی نمائش کر دی گئی اور یہ بات مشہور ہوئی تو لبستی کی لبستی مسخر ہونے کے لیے مجبور تھی۔ اجودھن فتح ہو گیا۔ مخالفین متہم کرتے ہیں کہ اسلام شمشیر کے زور سے پھیلا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک و مال کے لیے لڑنے والے مسلمان بادشاہوں کو دیکھتے ہیں اور اصولِ جہاد کو نہیں سمجھتے۔ اس کے علاوہ ظاہر پرست مبلغوں کی قیل و قال پر ان کی نظر رہتی ہے اور مجاہدین کے اطوار و عادات کا لحاظ نہیں کرتے۔ جہاد کو دنیوی جنگ کی مانند خیال کرتے ہیں کیونکہ ظاہری شکل دونوں کی ایک ہے جہاد تبلیغ مذہب کے لیے اللہ واسطے کیا جاتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ جہادِ اصغر اور جہاد اکبر۔ جب افہام و تفہیم سے کام نہیں چلتا اور نمونہ و مثال سے بھی ضد اور نفسانیت باقی رہتی ہے تو بدرجہ مجبوری جہادِ اصغر میں شمشیر سے کام لیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے جہادِ اکبر میں نہ قیل و قال ہے اور نہ شمشیر بلکہ بغیر کسی قسم کے فساد کے روحانیت و اخلاق سے تسخیر کی جاتی ہے۔ صوفی جہاد اکبر کیا کرتے ہیں اور نمونہ بن کر اپنے عمل سے تلقین کرتے ہیں۔ لیکن وقتِ ضرورت صوفیہ نے جہادِ اصغر میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ بہرحال حضرت والا کی روحانی و اخلاقی تسخیر کا ہر شخص معترف

Marfat.com

ہے۔ اصل تبلیغ یہی ہے۔ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد اصغر کے حکم سے پہلے جہاد اکبر ہی کے ذریعہ تبلیغ فرمائی تھی۔ اس کوشش میں وہ وہ تکلیفیں اُٹھائیں جو کسی نبی نے بھی برداشت نہیں کیں۔ اور دشمنوں کو دوست بنا کر دکھا دیا غرض اس طرح اجودھن فتح کر لیا گیا۔ اظہار اطاعت کے لیے وہاں کے باشندے جوق در جوق آنے لگے۔ یہ فتح اخلاق الٰہی حاصل کر لینے کی وجہ سے ہوئی۔ اخلاق الٰہی بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت واتباع کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ یہ روحانیت تھی جس سے مادیت نے شکست کھائی۔ روحانیت ہی سے قلوب میں تغیر واقع ہوا۔ وہ عقل و منطق سے نہیں بلکہ قلبی طور پر نیکی و بدی میں تمیز کرنے لگے۔ بس یہی تغیر فتح اجودھن کا باعث ٹھہرا۔ اجودھن کی فتح پر شادیانے بجنے لگے۔ مگر صرف فتح ہی کافی نہ تھی بلکہ اس کی از سرِ نو تعمیر کرنا بھی ضروری تھی۔ اجودھن کو روحانیت کا مرکز بنانا تھا تاکہ خودی کے جلوے ہر شخص کو جذب کر سکیں اور ہر شخص خود بھی ویسے ہی جلوے دکھا سکے۔

Marfat.com

انقلاباتِ اجودھن[1]

راجا	سنہ تعمیر	نام موضع
شیر سنگھ	سنہ ۶۱۱ء	شیر س پت اجگودھا
ہر سنگھ	سنہ ۶۵۶ء	ہر پور شیر گان
جیون سنگھ	سنہ ۶۵۹ء	گوتم جیا
انگپال	سنہ ۶۷۶ء	انکھی پور
باسس دیو	سنہ ۶۹۴ء	جندر سید
کنک پال	سنہ ۷۱۳ء	کندرا جی
پرتھی پال	سنہ ۷۳۵ء	پرتھی پور
جیس دیو	سنہ ۷۵۴ء	جودہ پور اعدھم نگری
ہر پال	سنہ ۷۷۵ء	ہری پور
اودھی راج	سنہ ۷۸۹ء	راجپور
بچھراج	سنہ ۸۱۶ء	بچھتر بجست گڈھ

لہ گلشن تذکرہ نے لکھا ہے کہ ہر تباہی کے بعد اجودھن بارہا رد شدہ است مگر ان انقلابات کی تطبیق ظاہری تاریخ سے کر لینا چاہیئے۔

Marfat.com

راجا	سنہ تعمیر	نام موضع
انکپال	سنہ ۸۴۸ء	انکو پابستی
رگھوپال	سنہ ۸۵۹ء	رگھوناتھ گڑھ
نیک پال	سنہ ۸۸۱ء	گوپال نگری
سلکھین	سنہ ۹۰۱ء	سالک پور
جیتے پال	سنہ ۹۲۶ء	جیوا گتھ
کنور پال	سنہ ۹۴۴ء	کنور گڑھ
انیکپال	سنہ ۹۷۴ء	گنی پال پور
بھیمی پال	سنہ ۱۰۰۷ء	بھیمی پور
مہی پال	سنہ ۱۰۶۶ء	بھیمی پور گڈھوا شہر
اگر پال	سنہ ۱۰۷۰ء	اجودھیا گڑھ
پرتھی راج	سنہ ۱۰۷۳ء	اجودھن
حضرت باباصاحبؒ کی وجہ سے اکبر کے عہد میں		پاک پٹن

۹

تبلیغ و مشاطگی[۱]

اتحاد میں فرق یوں آیا کہ مختلف نظریے وجود میں آ گئے۔ مساوات جاتی رہی اور لوگوں کے درمیان دیوار کھڑی ہو گئی۔ مگر کارِ خدائی یہ ہے کہ اس دیوار میں ایک دروازہ بھی رکھا ہے جس میں سے دوسری طرف جھانکا جا سکتا ہے۔ اور عیب و ثواب معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

اتحاد کی مثال بارشِ رحمت کی سی ہے۔ بارش اپنے مقام سے بے غل و غش پاک و صاف چلتی ہے۔ جب نازل ہوتی ہے تو خلا کے اثرات سے متاثر ہوتی ہے اور قطروں کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جب گرتی ہے تو ہر قسم کے مقامات پر

[۱] پیر مشاطہ مرید باشد۔

Marfat.com

گرتی ہے۔ جب بہتی ہے تو نشیب کی جانب بہتی ہے۔ نشیب سطحِ زمین کی ساخت پہ منحصر ہے اور بارش خود بھی اپنے لیے نشیب بنا لیتی ہے۔ بارش سے زندگی کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ دنیا جاگ اُٹھتی ہے اور سارا جہان سرسبز اور شاداب ہو جاتا ہے۔ اُوسر اور بنجر زمین پہ اس کی افادیت ضائع ہو جاتی ہے۔ گندی زمین اس کو نجس و ناپاک بنا دیتی ہے اور اچھی زمین فائدہ حاصل کرتی ہے۔ پانی پاک ہے اور دوسری اشیاء کو پاک کرتا ہے۔ مگر نجاست کی زیادتی کی وجہ سے پانی کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ اچھی زمین اور اچھی طبیعت بھی مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ بعض نعمت سے مالا مال ہو کر قانع ہو جاتی ہیں اور کچھ اسباب سے گزر کر مسبب الاسباب کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ یہ موخر الذکر "سابق بالخیرات" ہیں جو دونوں جہان کی نعمتوں سے سرفراز ہو کر منزلِ توحید اور بارگاہِ اقدس میں پہنچتے ہیں۔ اپنے سینوں میں بارشِ رحمت بھر کر لاتے ہیں پھر دنیا کو نکھار کر اتحاد کا سبق پڑھاتے ہیں تاکہ اول سے آخر کا سلسلہ مل جائے۔ انہیں کے دم سے مُردے زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہی لوگ عرفِ عام میں صوفی کہلاتے ہیں۔ شریعت و طریقت میں دوئی کا گزر نہیں۔ شریعت علم ہے اور اس پہ خلوص کے ساتھ عمل کرنے کا نام طریقت ہے۔ صوفی اسی کے مدعی ہیں۔ شریعت و طریقت ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں

Marfat.com

اور ایک ہی منزل کے دو مدارج ہیں۔ لیکن بعض ظاہر پرست شریعت کو طریقت کا حریف سمجھتے ہیں اور دُوئی کے مبلغ ہیں۔¹ وہ قلب کو ماؤف کر کے دماغ کو متاثر کر لیتے ہیں مگر تاثیر سے محروم رہتے ہیں۔ ان کے یہاں صدق و خلوص کے بجائے ایک قسم

---

¹ ابتدا میں ہندوستان کے علماء و صوفیہ ایک دوسرے کا ادب کرتے تھے۔ قطب الدین ز غیاث الدین تغلق کے عہد میں شریعت و طریقت میں اختلاف شروع ہو گئے۔ محمد تغلق نے مدرسہ و خانقاہ کی بنیادیں ہلا ڈالیں۔ ایرانیوں کی آمد پر بابر کے زمانہ میں بدعتیں شروع ہوئیں۔ اکبری الحاد نے قیامت برپا کر دی اور اورنگ زیب کے وقت سے شریعت طریقت سے جدا ہو گئی۔ اپنے اپنے زمانوں میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی۔ حضرت مجدد سرہندی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اصلاح کر کے کھرے سے کھوٹے کو علیحدہ کر کے دکھا دیا۔ شاہ ولی اللہ نے شہود و وجود کے مسئلہ کے متعلق بہترین فیصلہ کیا ہے اور وحدت الوجود کی تائید تبلیغ فرمائی ہے۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کا مشورہ ہے کہ جو درجہ نفس کو طے کر کے مرتبہ قلب میں نہیں پہنچتے ہیں انہیں بجائے مخالفت کرنے کے وحدت الوجود کے متعلق سکوت اختیار کرنا چاہیئے۔ لیکن اب بھی اگر اختلاف کیا جاتا ہے تو ما بخیر ذ تو بہ سلامت۔ بعض ظاہر بین علماء کی یہی روش ہے کہ وہ مرید بھی ہیں اور معترض بھی! بہر حال یہ مناسب نہیں۔

Marfat.com

کی ضد اور ہٹ پائی جاتی ہے۔ جس سے مقصد توحید محدود و منجمد ہو جاتا ہے۔ اور وسیع النظری جاتی رہتی ہے

عجیب تماشا ہے کہ شیخ سعدیؒ کی گلستان میں بعض لوگوں کو حکایت کے بجائے حِکایت سے سابقہ پڑتا ہے۔ ان ہی وجوہات سے تصوف چیستان بن کے رہ گیا ہے۔ کثرت تعبیر نے اسے اور بھی خواب پریشاں بنا دیا ہے۔ مستشرقین کچھ کہتے ہیں۔ علماء کچھ فرماتے ہیں اور نئے تعلیم یافتہ کچھ خیال کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ جملہ حضرات اپنی اپنی رائے کے متعلق بڑے بڑے ثبوت پیش کرتے ہیں لیکن اُن کی رائیں اُس تماشائی کی سی ہیں جو کنارے پر کھڑے ہو کر دریا میں غوطہ لگانے والوں کی غواصی پر رائے زنی کرے۔ حالانکہ غواصی کے معارف غواص ہی سمجھ سکتا ہے عامی و تماشائی اس کی تہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح سلوک اور ولایت کے غوامض غیروں کے پلے نہیں پڑتے۔ مستشرقین میں ڈوزی اور ھان کریمر لکھتے ہیں کہ تصوف ویدانت سے ماخوذ ہے نکلسن وغیرہ کا خیال ہے کہ تصوف کا منبع یونانی فلسفہ ہے۔ اور بعض کا اعلان ہے کہ یہ بدھ مت کے بطن سے پیدا ہوا ہے مگر ان سب کے برخلاف ایک فرانسیسی پروفیسر "لوئی میلسی نیون" نے ثابت کیا ہے کہ تصوف کا مخرج قرآن و حدیث ہے اور یہ کہ تصوف قطعی طور پر اسلامی الاصل ہے۔ اب اپنوں کو

Marfat.com

لیجئے تو امام ابن تیمیہ کے تبحر علمی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی برملا رائے ہے کہ صوفیاء متقدمین حق پر تھے۔ ان کا اصول خالص اسلامی تھا لیکن متاخرین نے فلسفے کی آمیزش سے اضافے کر لیے ہیں جن کو شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ اپنی پیدائش سے پہلے والے صوفیوں یعنی امام ابوالحسن اشعری اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک کے بزرگوں کے معترف و مداح ہیں۔ مگر بعد والوں میں امام الحرمین۔ امام غزالی۔ امام رازی اور ابن عربی پر جرح و قدح کرتے ہیں[1]۔ اب ہمارے آخر کے علماء مثلاً حضرات شیخ عبدالقدوس گنگوہی۔ عبدالحق محدث دہلوی۔ مجدد سرہندی۔ اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ نے بدعتوں کی تردید و اصلاح کی ہے اور اپنے اپنے طرز میں تصوف کو اصلی رنگ میں پیش کر کے خالص اسلامی ثابت کیا ہے اور یہ سب تصوف کے مبلغین میں سے ہیں۔ گروہ علماء میں صرف ابن عبدالوہاب نجدی کی

---

[1] اُن کے ایک عالم و فاضل ہمعصر نے ابن تیمیہ کے متعلق لکھا ہے کہ اُن کا علم ان کی عقل سے زائد تھا۔ یعنی اُن کی نقل معتبر ہے اور اُن کا تصرف فی العلم سہل ہے اور یہ کہ ان میں ذوق و عرفان نہیں تھا۔ مگر ان سب صوفیہ نے اپنے عہد کے رنگ کے مطابق پرانے ہی اصولوں کی تشریح کی ہے جو بظاہر نئی معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

تنہا ذات الٰہی ہے جو تصوف کے نام تک کی روادار نہیں۔ مگر ان جملہ میگوئیوں سے تصوف پر آنچ نہیں آتی۔ مبصرین و محققین کے مختلف نظریئے خود ایک دوسرے کی تردید کر دیتے ہیں تصوف کا ویدانت سے ماخوذ ہونا اس لیے بھی غلط ہے کہ ویدانت عالم کو ناپاک۔ شر اور مایا سمجھتی ہے اور اس کے نزدیک یہ عالم برہمہ سے قطعی علیحدہ شے ہے۔ بدھ مت کو لیجئے تو وہ عالم کو معدوم۔ فریب اور دُکھ بھرا ہوا خیال کرتا ہے۔ وجود مطلق کو غیر متغیر و ساکن سمجھنے کی وجہ سے اُن کی نجات کا ذریعہ ترکِ خواہشات اور ترکِ حواس ہے۔ یونانی فلسفے والے "نو افلاطونی" ایران والے اور ہنود کی طرح مادّے کو روح کا غیر کہتے ہیں۔ ان کے یہاں بھی نجات کا طریقہ ترکِ قیود اور فنائے کامل ہے۔ یونانی صفات الٰہی کے منکر ہیں لیکن تنزّلات اور اعیانِ ثابتہ کے قائل ہیں مگر ان کی اعیانِ ثابتہ اور تنزّلات کی تفصیل صوفیوں کی اعیانِ ثابتہ اور تنزّلات کی تشریح سے قطعی مختلف ہے۔ ان حقائق اور اختلافات کے مدّنظر ان میں سے کسی کو بھی تصوّف کا ماخذ قرار دینا صاحبانِ عقل و علم سے ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ سب ماخذ جو بتائے گئے ہیں خود توہمات و شرک سے پاک نہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک میں "تلوّن" و اختلاف موجود ہے۔ ایسی حالت میں ایسا دعویٰ کرنے والے یقیناً اپنی ناواقفیت و نارسائی کا خود اعلان کیا کرتے ہیں۔ اور اپنے

Marfat.com

نہ میاں مٹھو بنا کرتے ہیں۔

ابن عبدالوہاب اور امام ولی اللہ محدث دہلوی نہ صرف ہمعصر تھے بلکہ سنا ہے کہ حجاز میں ایک ہی اُستاد سے دونوں نے تعلیم پائی تھی۔ لیکن دونوں کی تعلیم کے نتائج ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ صلیبی جنگوں میں مسلمانوں سے سابقہ پڑنے کے بعد یورپ والے کلیسا سے بیزار ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے کچھ عرصہ بعد لوتھر نے اپنی تحریک کا اعلان کیا تھا۔ اور رُومن کیتھولک کے مقابلہ میں اس نے اپنی جماعت پروٹیسٹنٹ بنائی تھی۔ "تاریخی واقعات مظہر ہیں کہ ابن عبدالوہاب نے پروٹیسٹنٹ کی تقلید میں تصوف سے انکار کر دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب رح نے نہ صرف تصوّف کی شدت کے ساتھ تائید کی ہے بلکہ وحدت الوجود کی بھی زبردست حمایت کی ہے اور اس مسئلہ میں حضرت مجدد سرہندی رح کی تعبیر کو تسامح قرار دیا ہے۔ ہمارے زمانہ میں ڈاکٹر اقبال مرحوم بظاہر وحدت الوجود کے قائل نہیں۔ حضرت امام و محدث شاہ ولی اللہ دہلوی کو یقیناً علم لدنی حاصل تھا اور ڈاکٹر اقبال مرحوم تو یقیناً ان صفات سے متصف نہیں

خدا جانے کیا بات ہے کہ رائے زنی کرنے والے خود صوفیوں کے دعویٰ کی تحقیق و تفتیش کیوں نہیں کیا کرتے اور اپنی ذاتی رائے کو کیوں داخل کر دیتے ہیں جو خود محدود و تنگ ہوتی ہے۔ صوفی

Marfat.com

مدعی ہیں کہ تصوف قرآن و حدیث کا ماحصل ہے۔ تصوف کی بنیاد محبت الٰہی اور معیت ذاتی پر مبنی ہے اور یہی طریقہ سلف صالحین کا ہے۔ خلافت جب امارت میں تبدیل ہوئی تو اس کے بعد سیاست کا مذہب پر غلبہ ہو گیا۔ عہد عباسی میں جب فتنہ اُٹھا اور تفرقہ پڑا تو علماء دین بھی منقسم ہو گئے۔ بعض دربار کے ہو رہے اور بعض راسخ فی الدین نکلے۔ علمائے دربار نے جب نوک جھونک شروع کی اور حکومت کی طرف سے مظالم کی بوچھاڑ ہوئی تو اصل مقصد کی خاطر راسخ فی الدین حضرات نے بھی اپنا طرز بدلا۔ بعض صاحبان نے ان میں سے ظاہری طور پر علی الرغم خدمت دین کی۔ اور بعض صاحبان این وآں سے بے نیاز ہو کر تبلیغ کا خاص انداز میں کام کرنے لگے۔ ان صوفیوں کی بے نیازی اور گوشہ نشینی پر حکومت کو خطرہ ہوا تو علماء دربار کے ذریعہ شریعت و طریقت میں چلوادی اور دار و رسن کا بازار گرم ہو گیا۔ اہل طریقت کو اگرچہ ملزم گردانا گیا۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ تبلیغ اسلام کا سہرا اُن ہی کے سر رہا۔ ان کی گوشہ نشینی تقاضائے وقت تھی۔ اس پر کسی طرح بھی رہبانیت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ دنیائے اسلام کی رونق اُنہیں کے دم سے ہوئی۔ صوفیاء کی تعلیم میں جان بوجھ کر یا نادانی سے کیڑے ڈالے جاتے ہیں۔ مگر ان کا اصول واضح ہے۔ نیت کی درستی ان کے یہاں اوّلین شرط ہے۔ جس طرح نماز کے لیے

Marfat.com

وضو ضروری ہے۔ اسی طرح وہ اثبات کو حاصل کرنے کے لیے نفی کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ اقرارِ وحدانیت بغیر معبودانِ باطل کی نفی کے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہر قسم کے ظاہری و باطنی معبودانِ باطل کا موجد نفس ہے۔ نفس ہی سب سے بڑا بُت ہے۔ اس کی خواہشیں اور آرزوئیں باطل ہوتی ہیں۔ لاالہ سے انہیں سب کی مخالفت منظور ہے۔ حجابات اٹھ جانے کے بعد الا اللہ کا جلوہ سامنے ہوتا ہے اور اسی کی نورانیت سے توحید خالص تک رسائی ہو جاتی ہے۔ اور یہ مقام اتباع رسول سے حاصل ہُوا کرتا ہے۔ صوفیوں کے یہاں نیّت۔ قول اور عمل میں یکسانیت ظاہری و باطنی طور پر ہُوا کرتی ہے۔ اس اتحاد ثلاثہ کو حاصل کرنے کے لیے تصفیہ و تجلیہ ضروری ہے۔ اس سے نفس فنا نہیں ہوتا بلکہ مہذب بن کر طاقتور بنتا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ انسان کے جسم میں ایک ایسا عضو ہے جس کے صالح ہونے سے تمام جسم صالح اور جس کے خراب ہونے سے کل جسم خراب ہو جاتا ہے اور وہ عضو دِل ہے۔

دِل کی مثال اس پَر کی مانند ہے جو میدان میں پڑا ہُوا ہوا کے جھونکوں سے تلا بازیاں کھا رہا ہو۔ جو پَر ہوا میں اُڑ جائے۔ اس کے سنبھلنے کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن جو پر اپنی جگہ رہ کر ہچکولے کھائے وہ قابل اصلاح ہے۔ ایسے دل کی اضطراری

Marfat.com

حرکات پر غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کی حرکتیں یمین وشمال اور فوق و تحت ہوتی ہیں۔ اور یہ حرکات منفی بھی ہوتی ہیں اور مثبت بھی۔ انہیں حرکات کی کشمکش تذبذب اور شکوک کا باعث بنا کرتی ہے۔ اسی تذبذب کو یقین کی شکل میں ڈھالا جاتا ہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہر زمانہ میں ماحول اور علم کے مطابق کوشش کی جاتی ہے۔ منفی کو کارآمد بنانے کے لیے مجاہدات کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ محض نصیحت وعظ، تلقین اور مضمون نگاری سے کام نہیں چلا کرتا۔ اسلام کی نمایاں اور امتیازی شان یہی ہے کہ اپنے نظریۂ اوسط سے قلب کی منفی و مثبت حرکات کو صحیح اور متوازن بنانے کی تدبیر بتاتا ہے ہر زمانہ کے مصلح کا کام یہی ہے کہ اس اصول کو مدنظر رکھ کر اپنی نگرانی میں احکام شریعت پر عمل کرنا سکھا دے۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ حقیقت میں اُم المجاہدات ہیں۔ انہیں کی صحیح تعمیل و عادت دل کو دل بنا دیتی ہے۔ اہل مدرسہ منطق و فلسفہ کی قیل و قال میں مبتلا ہو کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔ بہرحال مدعا یہ ہے کہ حقیقی علم وہی ہے جو کشف و شہود سے حاصل ہو نہ کہ نظر و فکر و گمان پر مبنی ہو۔ صوفی یا ولی کوئی نئی شریعت نہیں لایا کرتا بلکہ کتاب و سنت پر عمل کرنے کے لیے نئی سمجھ لاتا ہے۔ پھر اپنے ماحول کو درست کرکے ایمان و عمل صالح کی تلقین کتاب و

Marfat.com

سنت کے مطابق کیا کرتا ہے۔ بدلے ہوئے زمانہ میں اس سمجھ کو نہ سمجھنے والے لکیر کے فقیر اور ہٹ دھرم ایسے شخص کی مذمت کیا کرتے ہیں۔ اب یہ بھی مسلمہ ہے کہ ہر فقیہہ صوفی نہیں ہوتا لیکن ہر صوفی فقیہہ ضرور ہوتا ہے۔

صوفیوں کے متعدد سلسلے مشہور و مقبول ہیں۔ ان کے مجاہدات کے طریقوں میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ اور یہ اختلاف ہر ملکے ہر رستے اور مختلف الطبائع والمزاج ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ اصول و مقصد سب کا ایک ہے۔ انہیں سلاسل میں ایک سلسلہ چشتیہ بھی ہے۔ چشتی اپنی خصوصیات کی وجہ سے منفرد ہیں وہ کسی جھمیلے میں نہیں پڑتے۔ ان کے یہاں کوئی ذہنی تعلیم نہیں۔ اسی واسطے غالباً حضرت خضر رومی قلندر نے کہا تھا کہ چشتیاں خدا را صفت یا فتند۔ ان کے طرز و سر لیقہ اور معمولات سے ان کی تعلیم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مخالفت نفس ان کے یہاں جزو اعظم ہے اور اس کی تاکید قرآن عزیز میں فرمائی گئی ہے۔ محبت۔ ہم نشینی۔ اتباع و تقلید کے اصول انہوں نے حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے سیکھے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرات صحابہؓ کی فضیلت صحبت رسولؐ کی وجہ سے ہے۔ صحابہؓ رسولؐ کی محبت میں فنا تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کرتے دیکھتے خود بھی وہی

Marfat.com

کرتے ۔ اُسوہ حسنہ پر اپنے ذاتی علم و تجربہ کو قربان کر دیا کرتے تھے ۔ یہ جملہ خصوصیات اہل چشت نے اُن ہی سے اخذ کی ہیں ۔ ان کا عمل ہزاروں علموں کا ایک علم ہے ۔ وہ مجاہدات کے ذریعہ دماغ کو صاف کرتے ہیں ۔ پھر دل کی تربیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ۔ اس سلبی و منفی طریق کا نام ان کی اصطلاح میں "تزکیہ" ہے ۔ جب باطن کی اس طرح صفائی کر لی جاتی ہے تو لوحِ سادہ پر نقوش بناتے ہیں ۔ اور یہ نقوش صفات و ملکات کہلائے جاتے ہیں ۔ دل کی اس تربیت کو تجلیہ کا نام دیا گیا ہے تزکیہ میں اگرچہ درود وظائف اور نوافل سے کام لیا جاتا ہے مگر اس کی تکمیل محبت بھری آہ سوزاں سے کی جاتی ہے ۔ یہ مقصد محض علم سے حاصل نہیں ہوا کرتا ۔ تزکیہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اول ان بنیاد را ویران کنند ۔ اس کے بعد تجلیہ کے ذریعہ عمارت کی تعمیر کی جاتی ہے ۔ جب اس طرح مقصودِ الٰہی اور منشائے رسول سمجھ لیا جاتا ہے اور اپنے اندر جذب کر لیا جاتا ہے تو "انابت الی اللہ" حاصل ہو جاتی ہے اور یہی در اصل "خودی" کی تعریف ہے ۔ ورنہ سب لفاظی ہے ۔ اسی مقام میں اپنے آپ کو پہچان کر خدا کی پہچان کا مفہوم پورا ہوتا ہے ۔ ایسے ہی حضرات شخصی و کائناتی زندگی کے معموں کو اشاروں اشاروں میں سمجھا دیا کرتے ہیں ۔ ان

Marfat.com

مُعمّوں کو فلسفہ طے نہیں کر سکتا۔ فلسفہ تو یقین سے خود تشنہ ہے صوفیہ کے علم و یقین کے سامنے علمی شکوک اور دینی شبہات کی کوئی حقیقت نہیں رہا کرتی۔

حضرات چشت کے مشرب ناب کو ہندوستان میں سب سے پہلے حضرت خواجۂ بزرگ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی فراست و ذہانت سے بہترین طرز میں آب و تاب کے ساتھ شائع کیا[1] انہیں کے سدا بہار چمن کے عطر بیز گُل رعنا حضرت باباصاحب علیہ الرحمتہ ہیں۔ چالیس برس کے مجاہداتِ شاقہ کے بعد جب فرائضِ سجادگی ادا کرنے پر آئے تو ان کی بیگانگیٔ خلق خلعت آرائی سے بدل گئی۔ اور محویت خودی نے تبلیغ کی صورت اختیار کر لی۔ گمنامی و بے نشانی کو اُنہوں نے پسند

---

[1] شیخ اسمٰعیل لاہوری سنہ ۳۹۵ھ / ۱۰۰۵ء میں یہاں تشریف لائے۔ پھر مسعود غزنوی کے عہد میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء) نے اشاعت اسلام کی۔ مگر یہ انفرادی کوششیں تھیں۔ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ نے سب سے پہلے ۵۸۷ھ میں تبلیغ شروع کی۔ قباچہ کے عہد میں سلسلہ سہروردیہ کا اجرا ملتان سے ہوا۔ سولھویں صدی کے آغاز میں سید محمد غوث گیلانی نے مغربی پنجاب میں سلسلہ قادریہ کی بنا ڈالی۔ ان کا وصال اوچ میں ۱۵۱۷ء کو ہوا۔ خواجہ باقی باللہ نے اکبر کے عہد میں سلسلۂ نقشبندیہ کی اشاعت فرمائی۔

Marfat.com

کیا۔ کسی نوعیت سے عزت و شہرت کے دنیوی طریقوں سے کام نہیں لیا۔ اور نہ کسی طرح سے کوئی اشتہار دیا۔ سرکار و دربار سے ہمیشہ دُور رہے۔ محبت و صحبت کے خاندانی ہیولیٰ پر سلسلہ کی تعمیر خوشنما و عالی شان انداز میں پائیداری کے ساتھ کی۔ اور فرقہ بندی کا خاتمہ کیا۔ سہروردی حضرات سے محبت و خلوص برتا۔ اس طرح ایک مرکز پہ قائم کر کے سب کو خدا کے سامنے پیش کر دیا۔ ان کے قلب کی گرمی۔ نگاہ کی تسخیر کلام کی شیرینی۔ اخلاق کی کرامت۔ صلاح و تقویٰ کی نورانیت اور بے ریا زندگی کی نفاست نے انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ مقبولیت خود ان کے قدموں پہ نثار ہونے لگی۔ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک رفیع الشان جھلکتے ہوئے مینارے تھے کہ دور دور تک ان کی روشنی پھیل گئی۔ ان کے خلفاء آفتاب و مہتاب کی طرح چمکے اور ان کی روشنی میں اللہ کے بندوں کو اللہ کا راستہ مل گیا حضرت والا کے جمال و جلال دونوں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ اور یہ جو کچھ بھی کیا وہ سب فی سبیل اللہ کیا۔ اور رضائے الٰہی کی خاطر کیا۔

حضرتِ والا نے اجودھن میں ستائیس برس خدمت خلق کی اور اشاعتِ دین فرمائی۔ اس مدت کو سلطان المشائخ بدایونیؒ کی بیعت سے پہلے اور بعد دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

Marfat.com

پہلا دور اکیس سال کا ہے۔ اور دورِ ثانی چھ سات برس کا ٹھہرتا ہے۔ ابتدائی دور کی تفصیلات پوری طرح نہیں معلوم۔ اگر وہ پردۂ خفا میں نہ ہوتیں تو دزنی، اہم، دلچسپ اور روح افزا ہوتیں۔ ملفوظاتِ سلطان المشائخ رح بھی ابتدائی حالات سے خالی ہیں۔ اور محدود ہونے کی وجہ سے اپنے قصور کی مُقر ہیں اجودھن میں دلّی کی طرح خفیہ سازشیں اور منافقانہ سیاہ کاریاں نہیں تھیں۔ یہاں والے اپنی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں میں مبتلا ہوکر اپنے اپنے خداؤں کو پوجتے تھے۔ ان کو غلط کار کہا جائے مگر اپنے اصول اور عقیدے میں پختہ اور مستقل تھے بالتخصیص مذہب ابتداء میں یہاں والوں نے اجنبیت رغیریت برتی اور پھر مخالفت بھی کی۔ بعد کو کچھ لوگ قائل ہوئے۔ سمجھ بے تعلق رہے۔ وہاں جوگیوں ساحروں اور ملّا سیاؤں کا عمل و دخل تھا۔ شروع شروع میں معیار صحیح نہ سمجھنے کی وجہ سے معتقدین بھی تعلیم کو پوری طرح نہیں سمجھنے پائے۔ جب فیض صحبت نے آنکھیں کھول دیں تو سمجھے کہ وہ کس حماقت عظیم میں مبتلا تھے اچھی طرح محسوس کرلیا کہ یہاں نہ دباؤ اور دھمکیوں سے کام لیا جاتا ہے اور نہ نام و نمود کے لیے کسی قسم کا اشتہار دیا جاتا ہے۔ سائلوں سے تکلف نہیں برتتے۔ سب کے ساتھ محبت و اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ فقر و عاجزی سے سلوک فرماتے ہیں۔

Marfat.com

مصلحت اور حیلہ و جرأت سے کام نہیں لیتے۔ امارت و دولت کا یہاں گزر نہیں۔ معاوضہ و صلہ کا ذکر نہیں۔ بخشش عام ہے اور سب کو ہر طرح مطمئن کر دیتے ہیں۔ اپنے وقار کو قائم رکھنے کے لیے مقبولیت دیکھ کر مخالفین آستینیں چڑھا کر مقابل میں کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے جوگیوں نے طبع آزمائی کی۔ پھر ساحروں نے ہاتھ پاؤں نکالے اور سب کے آخر میں مسلمان حاکم و قاضی نے اپنے اپنے جوہر دکھائے۔ لیکن سب کے سب خفیف و نادم ہوئے۔ اخلاق کریمانہ کے سامنے کسی کی کچھ نہ چلی۔

ایک کامل جوگی آزمائش کی غرض سے حاضر آیا۔ اپنے دستور کے مطابق ڈنڈوت کرنے کے لیے سر زمین پر رکھا۔ لیکن پھر زمین سے سر نہ اُٹھا سکا۔ تقاضا اور اصرار کرنے پر بھی جب نہیں اُٹھا تو حضرت نے اپنے دست مبارک سے اسے سیدھا کھڑا کیا۔ اس کے بدن پر رعشہ تھا۔ آواز نہیں نکلتی تھی تسلی دے کر اُس کے علم و کمال کے متعلق استفسار کیا۔ اور کہا کہ بغیر کسی رعایت کے اپنے ہنر کا مظاہرہ کرے۔ اپنے جملہ کرتبوں کی ناکامی پر وہ منفعل ہوا۔ کمال بزرگی کا اعتراف کر کے شاگردی کی درخواست کی۔ اس سے کلمہ پڑھایا گیا۔ اور وہ داخلِ اسلام ہو گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حاضرین کو بتایا کہ مقابلہ کی غرض سے آیا تھا۔ جب اس نے زمین پر

Marfat.com

سر رکھا تو ہمارے دل میں خیال آیا کہ اُٹھنے نہ پائے۔ اللہ کے کرم سے ایسا ہی ہوا۔ اور اللہ نے راہِ راست پہ آجانے کی اسے توفیق مرحمت فرمائی۔

ایک ساحر نے ارمان پورے کیے۔ جادو کے اثر سے ضعف و اضمحلال رہنے لگا۔ پتہ لگاتے لگاتے خدام شہاب الدین ساحر کی قبر کے اندر سے ایک پُتلا نکال کر لائے جس میں سوئیاں چبھی ہوئی تھیں۔ ایک ایک کر کے جب سب نکال دی گئیں تو طبیعت کو سکون ہوا۔ حاکم اجودھن نے ساحر کو خدمت اقدس میں سزا کے لیے بھیج دیا مگر اسے سزا نہ دی اور معاف کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ساحر شہاب الدین ساحر کا لڑکا تھا۔

قاضی اجودھن سے جب نہ رہا گیا تو ملتان کے علمار سے فتویٰ طلب کیا کہ سماع سنتے ہیں اور مسجد میں سنتے ہیں۔ وہاں سے جواب آیا کہ ادب کرو۔ یہ جواب محض ادب و تعظیم کے لحاظ سے تھا تو علمار ملتان پر حرف آ سکتا ہے۔ لیکن واضح ہوتا ہے کہ علمائے ملتان اباحت سماع کے قائل تھے اس لیے بازپرس نہیں کی اور قاضی کو تنبیہ لکھ کر بھیج دی۔

ایک مرتبہ کسی مُلّا نے فریاد کی کہ حاکم دق کرتا ہے۔ اس سے سفارش کر دی جائے۔ زبانی کہلا بھیجا کہ مُلّا بے قصور ہے مگر حاکم نے پروا نہیں کی۔ بعد میں کہلا بھیجا کہ شاید مصروفیت

Marfat.com

کی وجہ سے اعتنا نہیں کی گئی۔ یا ملّا کے خلاف کسی صاحبِ اثر نے ظلم پر آمادہ کیا ہے جو ہمارے کہنے کو ٹال دیا۔ حاکم نے حاضر ہو کر تاخیر کی معافی طلب کی اور ملّا کا کام بن گیا۔

کسی معتقد نے مسجد کے قریب گھر بنانے کے لیے اپنی زمین زبانی ہبہ کر دی۔ اس کے انتقال کے بعد ورثاء نے اس زمین پہ دعویٰ عدالت میں کیا۔ حاکم سخت گیر تھا۔ اس نے از راہ مخالفت حاضری کا حکم بھیجا۔ مگر اس کی سختیوں کے باوجود انہیں نہ جانا تھا اور نہ گئے۔ بالآخر غیب سے ثبوت فراہم ہو گیا۔ دعویٰ خارج ہوا اور حاکم منفعل ہوا۔

جب عقیدتمندوں نے عظمت و شہرت کے لیے اور معاندین نے استہزا اور مذاق کی خاطر بے سر و پا روائتیں گھڑنا شروع کیں تو ایک روز بھرے مجمع میں حضرت متوکل رح نے ادب کے ساتھ دریافت کیا کہ سننے میں آیا ہے آپ نماز کے بعد جب "یا رب" فرماتے ہیں تو غیب سے "لبیک یا عبدی" کی ندا آتی ہے؟ فرمایا غلط ہے۔ پھر پوچھا کہ ملاقات کے لیے آپ کے پاس خضر علیہ السلام آیا کرتے ہیں؟ جواب دیا۔ نہیں۔ اس کے بعد سوال کیا کہ مردانِ غیب آتے ہیں؟ مسکرا کر کہا کہ تم آتے ہو۔ تم ہی ابدال ہو۔ اس طرح لوگوں کی عجائب پسندی اور افترا پردازی کا منہ بند کر دیا۔ تاکہ فطرت و حقیقت سے پوری طرح آگاہی

Marfat.com

ہو سکے۔

ہر مہینہ کی چاند رات کو ہر کس و ناکس مبارکباد پیش کرنے آیا کرتا تھا۔ شیخ الاسلام مصلے کے نیچے سے نکال کر ہر شخص کی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ دیا کرتے تھے۔ آنے والے نذرانے میں شیرینی بھی لایا کرتے تھے۔ اس کا ڈھیر لگ جاتا۔ لیکن وہ اسی وقت تقسیم کر دی جاتی تھی اور کوئی بھی خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا تھا۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ سنہ ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء میں اُدچ جاتے ہوئے سلطان ناصرالدین حاضر خدمت ہونا چاہتا تھا مگر اُلغ خاں نے باز رکھا اور سلطان کے بجائے مع لشکر کے دیہات کی معافی کا پروانہ اور زر کثیر نذر کے لیے لے کر اُلغ خاں خود اجودھن[1] آیا۔ فوج کی تعداد دیکھ کر یہ مناسب سمجھا گیا کہ گلی کی طرف آستین

---

[1] یہ پہلا موقع تھا کہ بلبن حاضر دربار ہوا۔ اس ملاقات میں اجنبیت نمایاں ہے۔ لہٰذا اس کی صاحبزادی کی حضرت سے شادی کی روایت صحیح نہیں۔ اس زمانہ تک ہزیرہ خاتون کئی بچوں کی ماں بن چکی تھیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ سنہ ۶۳۹ کے بعد حضرت نے کوئی مناکحت نہیں کی۔ البتہ بلبن کی ایک صاحبزادی کی شادی سلطان نصیرالدین سے ہوئی تھی۔

*

لٹکا دی جائے۔ اور اس کو بوسہ دیتے ہوئے سپاہی گزر جائیں جب آستین پارہ پارہ ہوگئی اور تکان محسوس ہوئی تو مسجد میں آکر فرمایا کہ میرے گرد حلقہ باندھ لیا جائے اور فوجی دُور سے سلام کرتے ہوئے گزر جائیں۔ ایک قدیمی فراش نے عرض کیا کہ اللہ کی نعمت کا بہتر طریقہ سے شکر ادا کرنا چاہیئے۔ تکلف و تقصیر کرنے کی ضرورت نہیں" اس کی بات مان لی اند دست بوسی کی بھی اجازت دے دی۔ اس نظارے کے ختم ہو جانے کے بعد اُلغ خاں نے جاگیر کا پروانہ پیش کیا۔ کہ یہ حضور کے لیے ہے اور نقدی نذر کی کہ فقراء میں تقسیم کر دی جائے۔ فرمایا نقدی مجھے دو۔ ہم سب فقیر آپس میں بانٹ لیں گے۔ اور پروانہ واپس لے جاؤ اس کے ضرورتمند تمہارے یہاں اور لوگ ہیں۔ اتنے میں اُلغ خاں کے دل میں خیال گزرا کہ اگر مجھے وارث سلطنت بنا دیئے جانے کی دعا کر دیں تو میرا کام بن جائے۔ اس قلبی خطرے کے جواب میں خود بخود فرما دیا۔

فریدون فرخ فرشتہ نبود ۔۔۔ ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود
ز داد و دہش یافت آں نیکوئی ۔۔۔ تو داد و دہش کن فریدوں توئی

اُلغ خاں نے سر نیاز قدموں پر رکھدیا۔ نصیحت گرہ میں باندھ لی۔ سخاوت میں مشہور ہوا اور غیاث الدین بلبن کے نام سے تخت نشین ہوا۔ ابتداء میں وہ شراب کا عادی تھا۔ لیکن

Marfat.com

سلطان بن کر وہ ان باتوں سے تائب ہوا اور سختی کے ساتھ مذہب کی پابندی واشاعت کی۔

ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا رح دولت و روحانیت کے ذریعہ دین اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے۔ اور مخلوق ان کے دربار میں کھنچی چلی آتی تھی۔ لیکن اب اجودھن میں بھی ہر کہ و مہ حاضری دینے لگا۔ یہاں بغیر شانِ ریاست کے محض فقیرانہ شان سے دین و دنیا کو آراستہ کرنے کے طریقے سکھائے جاتے تھے۔ اور بغیر کسی تکلیف کے سیدھی سادھی طرح روشنی پہنچائی جاتی تھی۔ دل کشی اور دلچسپی کا باعث اخلاق کریمانہ تھا۔ ارشادات و لطائف تھے۔ حدیث و اُسوۂ حسنہ کا ذکر والہانہ انداز میں کیا جاتا تھا۔ بزرگان دین کے حالات سنا کر اتباع کی تاکید کی جاتی تھی۔ کہ علم کو عمل کیسے بنایا جاتا ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ تلاوت اور حفظِ قرآن کے اصول و فوائد سکھائے جاتے تھے۔ اور روحانیت سے تسخیر کی جاتی تھی۔ حاضرین و معتقدین کے ساتھ اتنی خاکساری فرمائی جاتی تھی کہ تکلف باقی نہیں رہتا تھا۔ اپنی کوئی اچھی بات بتاتے تو یُوں فرماتے کہ ایک درویش نے ایسا ایسا کیا اور ادب سکھانے کے لیے اپنی کسی کوتاہی کا ذکر کرتے تو صاف کہتے کہ ہم سے ایسی ایسی غلطی سرزد ہوئی۔ ہر شخص کی داستان اور مصائب کے احوال اس طرح سنتے جیسے کہ خود اُن پر

Marfat.com

بیت رہی ہے۔ اور تسلی دیتے وقت اپنا دل نکال کر پیش کر دیتے۔ ان کی ہمدردیوں سے غم غلط ہو جاتا اور اطمینان مل جاتا۔ ایسی پُر خلوص محبت کسی کو اپنے عزیز و قریب میں بھی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

قیام و طعام کا جماعت خانہ میں انتظام و انصرام تھا۔ صوفیوں اور درویشوں کی دیکھ بھال خدام کے علاوہ بی بی رانی جیسی چند بیبیاں بھی کرتی تھیں[1]۔ تعلیم کی اشاعت اور تبلیغ کی تکمیل جب کمال پر پہنچی تو اس نواح کے جملہ اقوام مثلاً میو۔ وٹو۔ راجپوت سیال۔ لون۔ لُوانہ۔ گوندل۔ کھیو یا بقول جواہر فریدی سیال۔ ترہنگ والیان۔ بھلیاں۔ ادھکان۔ جھکر والیان۔ پاکان۔ ستیان۔ کھوکھران ڈُدھیان اور توبیان۔ سب کی سب مُرید ہو کر داخل اسلام ہو گئیں۔ سلسلہ تبلیغ برابر جاری رہا اور بہار آ گئی۔ ساتھ ہی مریدوں کی تعلیم بھی برابر ہوتی رہی۔ غرض اس طرح دورِ اول کی کامیابی مسلّم ہو گئی۔

یہ "دست بکار" کے حالات اپنے پیچھے "دل۔ بار" کے

---

[1] سید محمود کرمانی مشہور تاجر تھے۔ ترکِ وطن کر کے شیخ کی خدمت میں رہنے لگے تھے۔ ان کی اہلیہ بی بی رانی عابدہ و زاہدہ تھیں۔

Marfat.com

واقعات بھی رکھتے ہیں۔ ان کی اہمیت اتنی شاندار ہے کہ عقل حیران ہو کر رہ جاتی ہے۔ بغیر اسباب کے بے سروسامانی میں فراغت نصیب ہونا اور خانگی زندگی کا صحیح وسلامت رہنا اعجوبۂ روزگار کرامت ہے۔ اپنے ذاتی اور وسیع خاندان کے علاوہ بھائی، ہمشیرہ اور بعض معتقدین کے گھر والوں کی ذمہ داری اپنے ہی سر تھی۔ ہمشیرہ اپنے فرزند کو بچپن ہی سے ان کے سپرد کر گئی تھیں۔ سید قیام الحق نے جب سفر آخرت اختیار کیا تو ان کی بیوہ کو اپنے عقد میں لے آئے۔ اور ان کے کم سن بچے نصیر الدین کو متبنٰے بنا لیا۔ حضرت متوکل رح کے کفیل وہی تھے۔ مولانا بدر الدین اسحٰق رح بھی شاملِ خاندان کر لیے گئے تھے۔ ۶۵۰ھ میں اپنی صاحبزادی بی بی فاطمہ کی شادی ان سے کر دی تھی۔ بی بی خاتون بیگم کی اولاد کثیر تھی ان سب کی تعلیم و تربیت اور شادی و غمی کی رسمیں خوش اسلوبی سے ادا ہوتی تھیں۔ حاکم اجودھن برسرِ پرخاش تھا خاندان بھر کو ستاتا تھا۔ کسی فساد میں صاحبزادے عبداللہ جو نابالغ تھے شہید کر دیئے گئے۔ صاحبزادوں نے اس کی شکایت بھی کی۔ مگر صبر کی فرمائش کر دی گئی۔ آخر کار وہ اپنے کسی معاملہ میں ماخوذ ہو کر کیفر کردار کو پہنچا[1] اب گفتنی نہیں

---

[1] فرشتہ

Marfat.com

ہے۔ مگر سمجھنے کے لائق ہے کہ دنیا بھر کے لیے لنگر جاری تھا۔ لیکن اہل و عیال کی فاقوں میں گزرتی تھی۔ اور ایسے فاقوں میں کہ تصوّر محال ہے۔ ایک مرتبہ اہلیہ صاحبہ نے اطلاع دی کہ بھوک سے بچہ قریب مرگ ہے۔ فرمایا۔ مرضئ مولا۔ اسے لے جاکر دفن کر دو۔ یہ سن کر ماں کے قلب پر کیا گزری ہو گی۔ مگر انہوں نے بجائے شکایت کے صبر سے کام لیا۔ عُسرت کی اس دردناک تصویر میں قناعت و استغنا کا نقشہ موجود ہے۔ پھر طرّہ یہ ہے کہ گھر والوں کو احتیاج پر کوئی شکایت نہیں ہوئی اور نہ انہوں نے مرثیہ خوانی کی۔ اتحاد و سکون میں ذرا فرق نہیں آیا۔ ناگواری کی کوئی روایت آج تک کانوں نے نہیں سُنی۔ یہ داستان افسوسناک اور عبرت انگیز ہو سکتی ہے۔ مگر جذبات سے گزر کر حقیقت پر غور کیا جائے کہ سلسلہ چشتیہ میں کم خوری و کم خوابی تعلیم کا جزوِ اعظم سمجھی جاتی ہے۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ فقرہ فاقہ کا جوڑ بھی ہے۔ اگر اس توجیہہ و استدلال کو محض تاویل سمجھا جائے تو ظاہر ہے کہ عام جسمانی بیماریوں میں بھوک اور نیند جاتی رہتی ہے۔ اب اگر سابقہ ہو آزارِ عشق سے اور عشق بھی ہو حقیقی تو فاقہ خود دوا بن جاتا ہے۔ اور نیند غائب ہو کر یادِ محبوب کا ذریعہ بن جاتی ہے کمخوابی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریضِ عشق بے تکلف عشاء کے

Marfat.com

وضو سے فجر کی نماز ادا کیا کرتے ہیں اور انہیں اُونگھ تک نہیں آتی۔ اور نہ ان کے پلک جھپکتے ہیں[۱]۔ کہتے ہیں کہ بیماری میں خدا یاد آجاتا ہے۔ لہٰذا ہر وقت اور مسلسل بندۂ عشق یادِ خدا میں محو و مستغرق رہے تو تعجب نہیں اس نکتہ کو ذہن نشین کر لینے کے بعد سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ فاقے جبری نہیں تھے۔ بلکہ خود اختیاری تھے۔ لہٰذا ان خود اختیاری فاقوں سے روحانی عظمت و کرامت کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مجنوں باشی کی شرط ہے۔ ورنہ پیٹ بھرے، دنیا میں آلودہ اس کو محسوس نہیں کر سکتے۔ غرض گھر کا گھر اللہ والا تھا۔ اس فضل الٰہی پر بس یہی کہا جا سکتا ہے۔

ہر تنگ حوصلہ شائستۂ رسوائی نیست

---

[۱] ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں حضرت سلطان جی کی تعلیم و صحبت کے سلسلہ میں واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "جو مستقیم الحال ہو چکے تھے وہ راتوں میں قیام کیا کرتے اور صبح تک بیدار رہتے۔ پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے.... بعض عبادت گزار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے....." اور حضرت امام ابو حنیفہ رض کے متعلق مشہور ہے کہ رات کو نہیں سوتے تھے۔

Marfat.com

جو لوگ روز ازل میں شے لطیف کی تقسیم کے وقت غیر حاضر تھے۔ یا وہ لوگ جو مجاہدات کو عادت یا ورزش سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے اُن کا گمان ہے کہ رحلت سے پہلے حضرت والا کی عسُرت انتہا کو پہنچ گئی تھی اور گھر بھر کی فاقوں میں بسر ہوتی تھی۔ اسی سبب سے اُنہوں نے قیاس کیا کہ شاید فتوحات کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں حضرت محبوب الٰہی صاحب کا بیان پیش کرتے ہیں کہ آخری مرتبہ جب انہیں رخصت کیا تھا تو باوجود عسُرت کے ایک اشرفی مرحمت فرمائی تھی جو سیر الاولیاءؒ کے مطابق ادب کے ساتھ واپس کر دی گئی تھی۔ یہ روایت کتنے ہی ثقہ راوی کی ہو اور کتنی ہی مستند کتاب اخبار الاخیار سے نقل کی گئی ہو غلط ہے۔ اور روحانیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ معلوم نہیں پُرانے اہل قلم کی بر بنا ادب و تعظیم کیسی سوجھ بوجھ تھی کہ درویش کے بوریئے کو تخت شاہی بنا دیتے تھے اور قناعت کو عسُرت سے تعبیر کر دیا کرتے تھے۔ اب مقام غور ہے کہ جو پیسے کو اپنے پاس نہیں رکھتے تھے جو فتوحات کو فوراً تقسیم کر دیتے تھے اور جن کو اندوختہ رکھنے کی عادت نہیں تھی ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک اشرفی چھپی چھپائی رکھی تھی جو محبوب الٰہی کو زادِ راہ کے طور پر

Marfat.com

دے دی گئی۔ جب روزے اور فاقے ان کی زندگی کا جُز بنے تو ان کو عسرت سے تعبیر کرنا چہ معنی دارد۔ آخر عمر میں اگر ان روزوں اور فاقوں میں زیادتی ہوئی تو قرین عقل ہے۔ صوفیہ کا مقصدِ زندگی ہی یہی ہے کہ اخلاق الٰہی حاصل کریں۔ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۴ سے کہ:-

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ

اللہ تعالیٰ کھانے سے پاک ہے اور دوسروں کو کھلاتا ہے

اس اخلاق الٰہی کو حاصل کرنے کی کوشش کو عسرت نہیں کہا جا سکتا۔ اب اگر آخر عمر میں خوراک جاتی رہی تھی یا حد سے زیادہ تخفیف ہوئی تو قاعدے کے اندر ہوئی۔ ظاہری دنیا سے تعلق کم ہوتا گیا۔ روح معراج پہ پہنچنے لگی۔ تمام توجہ اللہ کی طرف ہو گئی اور دوسروں کی تواضع اسی نسبت سے زیادہ کی جانے لگی تو یہ اخلاق الٰہی سے مزین ہو جانے کی دلیل ہے۔ اس کو عسرت خیال کرنا اور عسرت کو فتوحات کے بند ہو جانے پر محمول کرنا فضول سی بات ہے اور قابل مضحکہ ہے دُنیا کی ہر قوم اور ہر ریاست اور اس کے افراد غذا اور پوشش کے زیادہ سے زیادہ اسباب فراہم کرنے کو اپنی ترقی و عظمت خیال کرتے ہیں۔ لیکن یہی کوشش جنگ و جدال کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ فراہمیٔ اسباب کے لیے صلح و آشتی بھی

Marfat.com

فریب سے خالی نہیں ہوا کرتی کیونکہ ہر معاہدہ ذاتی مفاد کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اب اگر ذاتی مفاد کے بجائے فراہمیٔ اسباب کی کوشش میں دوسروں کی فلاح و بہبود کا تصور ہو تو امن و ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ لہذا ترقی کے اسباب سے کوئی بھی محروم نہیں رہ سکتا۔ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست۔ اگر اس میں شک ہو تو صوفیہ کا مسلک نظر کے سامنے ہے اور یہ قرآن و سنت پر مبنی ہے۔ صوفی کسی قسم کی خدمت بھی اپنی ذاتی منفعت کے لیے نہیں کیا کرتا۔ چنانچہ مشہور ہے دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند۔ تقسیم دولت کے متعلق اشتراکی معیار اور اسلامی اصول میں یہی فرق ہے اور قابل لحاظ ہے۔ اس اسلامی اصول کو دنیا نے کبھی سمجھا تھا مگر اُسے بھلا دیا گیا۔ لہذا جہانبانی و جہانداری تعویق میں پڑ گئی۔ ایک ڈاکو اور ایک بادشاہ میں محض رسموں کا فرق رہ گیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں خصائل دونوں کے ایک ہیں۔ حضرت والا نے اسلامی اصول کو نباہ دیا۔ اور نمونہ بن کر ہر ممکن طریقہ سے اسی کی تبلیغ فرمائی۔ چنانچہ مقبولیت میں جتنی فراوانی ہوئی فتوحات میں بھی اتنی ہی ترقی ہوئی اور اسی نسبت سے ان کی کم خوری اور تن پوشی کی بے نیازی میں بھی زیادتی ہوتی چلی گئی۔ اس حالت اور

Marfat.com

کیفیت کو عسرت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اب رہا محبوب الٰہی صاحب کا اشرفی کو واپس کر دینا تو یہ حرکت کسی ادنیٰ مرید سے بھی سرزد نہیں ہو سکتی۔ مرشد کا عطیہ کسی نوعیت سے واپس کر دینا بدترین قسم کی گستاخی ہے۔ اس کے علاوہ اشرفی زادِ راہ کب تھی۔ بلکہ روحانی کمال کا حصہ بصورت اشرفی دیا گیا تھا۔

والدہ صاحبہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ کھوتوال سے لانے کے لیے حضرت متوکلؒ کو بھیجا گیا تھا۔ اثنائے راہ میں ضعیفہ کو ایک درندہ اُٹھا لے گیا۔ بڑی تلاش و جستجو کے بعد ہڈیاں جمع کر کے لائے تھے۔ لیکن کشفی تذکرہ کا بیان ہے کہ صحیح و سلامت اجودھن آگئی تھیں اور ان کا وصال ۲۱ھ میں ہوا تھا۔ قبر کا پتہ نہیں۔

جواہرِ فریدی کے مطابق والدہ صاحبہ کا وصال اس وقت ہوا تھا جبکہ ابتدائے عمر میں بمقام کھوتوال حضرت والا نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ (لیکن یہ روایت متعدد وجوہ سے ضعیف و غلط ہے) واللہ اعلم

اجودھن کے قیام کا دورِ ثانی قلیل ہے مگر دیرتبع ہے۔ اب لوگ اصولِ تعلیم سے واقف ہو گئے تھے۔ روحانیت کی مقبولیت و ترقی اپنے اوج پر تھی۔ اس کی تفصیل کسی قدر فوائد الفواد

Marfat.com

اور سیر الاولیاء میں دیکھی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ان حالات کے راوی براہ راست سلطان المشائخ ہیں۔

ایک خاص مرید محمد شاہ غوری پریشان حال۔ حواس باختہ اور مضطربانہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میرا بھائی جاں بلب ہے۔ حضور دعا فرمائیں۔ ممکن ہے کہ وہ جاں بحق بھی ہو گیا ہو۔ اسے بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے پاس بٹھا لیا۔ فکر و غم غلط کرنے کے لیے مختلف پُر لطف باتیں کرنا شروع کر دیں۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا! جو کیفیت اضطراب کی اس وقت تم پر طاری ہے۔ ایسی ہی کیفیت ہر وقت ہم پر مسلّط رہتی ہے[1] اس میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مرضیٔ الٰہی پر صبر کرنا لازمی ہے۔ رحمت حق سے مایوسی کفر ہے۔ راحت تکلیف کے بعد ہی ملا کرتی ہے۔ رحمت پر یقین رکھنے سے مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ فضل فرماتا ہے۔ بس جاؤ۔ اپنے بھائی کو دیکھو۔ بفضلہٖ وہ صحیح ہے۔ اسے موت کی بیماری نہیں تھی۔

---

[1] کیونکہ قلب اللہ اور مخلوق دونوں طرف لگا رہتا ہے۔ اس لیے وحشت رہا کرتی ہے۔ اور یہ کیفیت جلوت کا خاصہ ہے۔

Marfat.com

محرم کی چاند رات کو حسب معمول کثیر مجمع تھا۔ مراقبہ جو کیا تو ذکر کرتے کرتے بیہوش ہو گئے۔ ہوشیار ہو کر عبداللہ محمد خلجی کو بتایا کہ ابھی بھائی بہاء الدین زکریا کا وصال ہو گیا۔ پھر سب حاضرین نے اسی وقت جنازے کی غائبانہ نماز ادا کی[1]۔ بعد میں اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔

حضرت علاؤ الدین موج دریا (۶۲۹-۷۱۹ھ) حضرت بہاء الدین سلیمان کے صاحبزادے تھے۔ بچپن میں ایک روز سجادہ پر آکر بیٹھ گئے۔ شیخ علیلی نے ہٹانا چاہا۔ مگر شیخ الاسلام نے فرمایا۔

"بگذار تا نشستہ باشد"

چنانچہ ان انفاس متبرکہ کی برکت سے اپنے والد کے وصال کے بعد ۱۶ سال سجادہ پر متمکن ہوئے۔

ایک مرتبہ کسی خاص موقعہ پر کسی خاص جذبہ میں اپنے متعلق فرمایا کہ چالیس سال تک جو کچھ اللہ جل شانہ نے فرمایا وہ بندۂ مسعود نے کیا۔ اب چند برس سے مسعود جو درخواست کرتا ہے

---

[1] حنفیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ ناجائز ہے۔ حنفی ہوتے ہوئے اگر بابا صاحبؒ نے نماز غائبانہ ادا کی ہے تو یہ آپ کی مجتہدانہ شان ہے

باری تعالیٰ اسے پورا کر دیتا ہے۔ یہ ارشاد منزلت کے اظہار کے لیے کافی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے " رضی اللہ عنہم و رضو عنہ ؛" یہ شانِ عطا ہے۔ اسی آیت پاک کا آزاد ترجمہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کیا ہے۔ [1]

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

تسلیم کامل کا یہی انعام ہے جس کا اظہار عجز، بندگی اور ادب کے ساتھ شیخ الاسلام نے کیا۔ بندے کو مشیخت و دعوے موزوں نہیں۔

۲۔ مشاطگی

مرید و مرشد کے درمیان جو معاہدہ ہوتا ہے اس کو بیعت کہتے ہیں۔ مرید وعدہ کرتا ہے کہ ہدایتوں پر عمل کرونگا مرشد راہ مستقیم دکھانے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ مگر قیام و استحکام

---

[1] معافی طلب کرتے ہوئے۔ بیخود بدایونی کا مقطع حاضر ہے۔ جو اس وقت یاد آگیا۔ ؎

کہیں۔ بیخود تمہاری خود داری
دشمنِ بیخودی نہ ہو جائے

Marfat.com

کے لیے مرید کی استعداد شرط ہے[1] حضرت شیخ کبیرؒ معاہدہ کے بعد سب سے پہلے مرید کے پندار۔ عجب ۔ ناز و خودپسندی کا قلع قمع کیا کرتے اور حسّی و عقلی علوم کو راہ سلوک میں حائل نہ ہونے دیتے۔ سلوک میں نفس کی اصلاح ضروری ہے ۔ نفس کی نفسانیت ہی خرابی کا باعث ہوتی ہے ۔ لہذا خواجگان چشت کا پہلا اصول یہ ہے کہ نفس کا کہنا نہ مانا جائے ۔ پھر لاریبی علم سکھا کر صحیح راستے پر ڈال دیتے ہیں ۔ لاینفع علم کی فضولیات میں وہ مرید کو نہیں پڑنے دیتے ۔ مرید کے لیے یہی منزل سخت کڑی ہوتی ہے ۔ ایک مرتبہ کسی ہم سبق نے شیخ الاسلام سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے علم سے کیا فائدہ حاصل کیا تو جواب میں فرمایا کہ خواندن برائے عمل است ۔ ہمیں قدر کافی است کہ می خوانند و عمل کنند۔

لیکن جن مریدوں کو اپنے خاص کام کے لیے منتخب کرتے ہیں کہ اشاعت و تبلیغ کا کام کریں اور خلافت کے اہل ہوں

---

[1] یہ بحث کہ استعداد اور مشیّت میں کیا تعلق ہے دقیق ہے یہ صحیح ہے کہ مشیّت در استعداد اثر نہ کند۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ ہردم استعدادے دیگر حاصل مے شود (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مکتوبات قدوسیہ مکتوب نمبر سیزدہم)

Marfat.com

تو اُن کو انہیں اصولوں پر خاص طور پر کستے ہیں اور اچھی طرح کاڑھتے ہیں ۔ چنانچہ ابتدائی دور میں جمال ہانسوی۔ منتجب الدین متوکل۔ علی احمد صابر۔ یوسف ۔ حمید اور بدرالدین اسحٰق وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین پر مختلف طریقوں سے ہر ایک کی فطرت کے مطابق خصوصی توجہ فرمائی ۔ مشاغل کی تفصیل نہیں معلوم۔ لیکن ان حضرات کے احوال سے قیاس کی جا سکتی ہے ۔ آخری دور میں شیخ نظام اولیاء بدایونی رح اور شیخ عارف رح وغیرہ پر توجہ مرتکز کی تھی ۔ سلطان جی نے خود اپنے واقعات بتائے ہیں اور مشاغل کا نقشہ کھینچا ہے ۔ لہذا پوری کیفیت کی وضاحت ان سے ہی معلوم ہو جاتی ہے اور حضرت والا کا طریق و طرز سمجھ میں آ جاتا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ ابو بکر نامی قوال سے بدایوں آکر حضرت زکریا ملتانی رح اور شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہٗ العزیز کا ذکر سنایا تھا۔ یہ ذکر پاک سن کر مجھے شیخ الاسلام سے خود بخود عقیدت پیدا ہو گئی ۔ اس وقت سے ہر نماز کے بعد دس مرتبہ اسم "شیخ فرالدین" کا ورد کیا کرتا تھا۔ میری محبت اور ارادت کا حال جب میرے یاروں کو معلوم ہوا تو وہ حضرت کی قسم لینے کے بعد میری بات کا یقین کیا کرتے تھے۔ جب میرا دہلی جانا ہوا تو حضرت نجیب الدین متوکل رح کے مکان کے قریب قیام ہوا۔ ان سے حضرت باباصاحب رح کے

Marfat.com

حالات سُن کر اشتیاق میں اور بھی زیادتی ہوئی۔ چار برس کے بعد فارغ التحصیل ہو کر حضرت متوکل رح سے عُہدہ قضاء حاصل کرنے کے لیے مشورہ کیا تو اُنہوں نے فرمایا "انشاء اللہ تو ہرگز قاضی نشوی۔ امّا چیزے دیگر شوی کہ من می دانم۔" اور فرمائش کی کہ اجودھن میں شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضری دو۔ جب اجودھن پہنچا تو دیکھتے ہی ارشاد ہوا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

یہ گویا جواب تھا ہر نماز کے بعد حضرت کے اسم گرامی کے ورد کرنے کا۔ اور یہ بھی بتایا کہ میں خلافت کسی اور کو دینے والا تھا مگر الہام ہوا کہ ٹھہرو نظام الدین آتے ہیں۔ گویا مرشد بغیر مرضی الٰہی دریافت کیے ہوئے کسی کو ازخود خلافت نہیں دیا کرتا۔

فاضلِ اجل اور عالمِ متبحر سلطان جی سے پہلی ہی ملاقات میں کہا کہ چند کتابیں ہم سے بھی پڑھنا پڑیں گی۔ یہ ارشاد قطعی غیر متوقع تھا۔ اب کمالِ استعجاب یہ ہے کہ پوچھا گیا کہ "سورۂ فاتحہ یاد ہے پڑھ کر سناؤ۔" جب سنائی تو فرمایا کہ وَلَا الضَّآلِّیْن اس طرح پڑھو جس طرح میں پڑھتا ہوں۔ ضاد کو صحیح طور پر ادا کرنا چاہیئے" اعتراف کرتے ہیں کہ :-

ایں چہ بلاغت و فصاحت بود۔ شیخ الاسلام ضاد نیوشے

Marfat.com

خواند کہ ہیچ کس را میسر نشود (اسرار الاولیا)

اس امتحان کے بعد آیندہ عوارف کے پانچ باب، تمہید سالمی اور قرآن عزیز کے چھ پارے کامل تجوید کے ساتھ پڑھائے جس طرح ایک مبتدی کو پڑھائے جاتے ہیں۔ عوارف المعارف پڑھانے کا قصہ ملفوظات میں محفوظ ہے۔ خود کہتے ہیں کہ ہم سے حضرت شیخ میں ایک گستاخی ہو گئی تھی۔ یہ اقرار اور اس کا اظہار معصومیت، احترام اور ادب کی جان ہے۔ اس کی تفصیل آٹھ دس سطروں میں قلمبند کی ہے۔ پڑھنے والا معمولی بات سمجھ کر آگے بڑھ جاتا ہے مگر غور کرنے والا اور سمجھنے والا اس پر گھنٹوں اپنا سر دھنتا ہے۔ انہیں چند سطور کے بین السطور میں رازِ حقیقت بند ہے۔ اپنی کتاب "نظام تعلیم و تربیت" کے حصہ دوم میں مرحوم و مغفور مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے (خداوند کریم ان کو۔ ان کے والدین اور استادوں کو جزائے خیر دے) جس پیرایہ میں تشریح کی ہے وہ لاجواب و جدانی ہے۔ اور وہ یہ ہے :-

"مولانا بحاث" اور "محفل شکن" کے خطابات لے کر "مولانا نظام الدین" کے نام سے سلطان جی شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ پہلا کام شیخ نے یہی کیا کہ باوجود سب کچھ لکھ پڑھ چکنے کے، حکم دیا کہ

Marfat.com

نظام تمہیں کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنا پڑیں گی"۔ اسی بنیاد پر عوارف کا سبق شروع ہوا۔ غالباً چند ہی اسباق پڑھے ہوں گے کہ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جو نسخہ عوارف[1] کا شیخ کبیر کے ہاتھ میں تھا۔ "ہما ناکہ نسخہ بود باریک نوشتہ یا سقیم گونہ" یعنی اس نسخہ کا خط باریک تھا یا اس کی لکھائی اچھی نہ تھی۔ ہوا یہ کہ شیخ را درمیان گمشدے بود۔ یعنی شیخ کبیر بعض مقام پر اٹکنے لگے۔ بیچارے بوڑھے آدمی۔ وہ تو اس کی عبارت میں غور کر رہے تھے۔ اُدھر جوان عالم و جوان علم کے خون میں جوش آیا۔ سلطان جی کا بیان ہے کہ من نسخہ دیگر بخدمت شیخ متوکل علیہ الرحمۃ دیدہ بودم۔ لہٰذا اسی "دیدہ بودم" کے ذریعہ اپنی وسعت نظری کا اظہار فرمایا۔ کہ میں نے شیخ کبیر کے سامنے بایں الفاظ کہا کہ شیخ نجیب الدین متوکل نسخہ صحیح دارد بس "دیدہ بودم" کے علم کا ادھر سے اظہار ہوا، اور دوسری طرف سے ایک آواز جس میں ہیبت

---

[1] معلوم نہیں عوارف کا یہ کونسا نسخہ تھا۔ وہ جو حضرت شہاب الدین سہروردی رح نے بھیجا تھا۔ یا کوئی اور۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

ملی ہوئی تھی سلطان المشائخ کے کان سے ٹکرانے لگی۔ کہ "درویش را قوتِ تصحیح نسخہ مقیم نیست" ایک دفعہ نہیں بار بار شیخ کبیر اسی فقرے کو دہراتے رہے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہیں آیا کہ یہ اشارہ کس طرف ہے لیکن چند بار مکرر سہ کرر یہی الفاظ شیخ کبیر کی زبان مبارک سے نکلتے رہے تو جماعت کے دوسرے ساتھی مولانا بدرالدین اسحٰق نے اشارہ کیا کہ خطاب تمہاری طرف ہے۔ یہ سن کر سلطان جی کے ہوش اُڑ گئے۔ فرماتے ہیں کہ "سر برہنہ کردم و درپائے شیخ اُفتادم" شیخ کبیر کے قدموں پر "محفل شکن مولانا بحاث" کا سر پڑا ہوا تھا۔ کہتے جاتے تھے کہ "نعوذ باللہ منہا کہ مرا مقصود ازیں سخن کنایتے بہ مخدوم بودہ باشد"۔ یہ سمجھے کہ شیخ کبیر نے شاید میرے بیان سے کہ شیخ نجیب الدین کا نسخہ صحیح ہے اپنی اہانت محسوس کی۔ اسی کی معافی وہ چاہ رہے تھے حالانکہ واقعہ کچھ اور تھا۔ فرماتے ہیں میں عرض کر رہا تھا۔ "من نسخہ دیدہ بودم ازاں حکایت کردم۔ مرا اصلا چیزے دیگر در خاطر نبود" مگر اسی "دیدہ بودم" کے پیچھے تو وہ بات چھپی ہوئی تھی

Marfat.com

جس پر قیامت برپا ہوئی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ "من معذرت کردم۔ اثر بے رعنائی ہچناں در شیخ تی دیدم" جُرم ناقابل عفو قرار پایا۔ سب کچھ تج کر جو کسی کے آستانے پر آیا تھا اس کو صرف ایک دیدہ بودم کے دعوی نے اس حال میں پہنچا دیا۔ اب صادق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آگیا۔ دُنیا دیکھ رہی تھی کہ مولانا نظام الدین کیا فیصلہ کرتے ہیں کیا مولانا بحاث و محفل شکن ہی کے لقب کو لے کر دنیا سے واپس چلے جائیں گے۔ جیسے لاکھوں ہی بحاث اور محفل شکن آئے اور چلے گئے یا مشائخ کے سلطان کا جو تخت خالی ہے اس پر قدم رکھنے کی ہمت کرتے ہیں؟ یہ اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہے۔ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

چند کلیاں جو اُن کے ہاتھ میں تھیں وہ اُنہوں نے پھینک دیں اور اپنی تنگ دامانی کے علاج کے آخری فیصلہ پر ڈٹ گئے۔ ظرف کے چھوٹے ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ غلطی میرا کیا قصور ہے۔ میں نے غلطی ہی کہاں کی ہے۔ ایک اچھے نسخہ کا علم تھا اسی

Marfat.com

کا اظہار کیا تھا اور بس۔ پھر اس پر اتنی برہمی کے کیا معنی؟ یہی شوشہ اگر سامنے آجاتا تو وہی لمبی لکیر بھی بن سکتا تھا۔ اتنی لمبی کہ شیطان کی آنت بھی اس سے چھوٹی ہوتی۔ یعنی کہا جا سکتا تھا کہ بڑھاپے میں دماغی توازن صحیح نہیں رہا ہے۔ مزاج میں تُندی اور غصہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ آگے بڑھ کر اسے نفسانیت کا ثبوت بھی قرار دیا جا سکتا تھا۔ بلکہ دین کی آڑ لے کر سلطان جی چاہتے تو اُسوۂ حسنۂ نبویہ کے معیار پر شیخ کبیر کے اس طرز عمل کو کھوٹا بتا کر لوگوں کو دکھا سکتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ اپنا علاج کرانے آئے تھے۔ شیخ کبیر کی کمزوریوں کا علاج اجودہن آنے سے مقصود نہ تھا۔ یہ طے کر چکے تھے کہ یہ معالج طبیب حاذق ہے۔ اس کے بعد انہیں تنقید کا حق ہی باقی کب رہا تھا۔ بہرحال فرماتے ہیں کہ شیخ کبیر کی بے رضائی کو ایک ہی حال میں پا کر مجلس سے مایوس اٹھا۔ "برخاستم وندانستم چہ کنم آ ندانستم چہ کنم"۔ یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے آج اجودہن میں نکل رہے ہیں۔ جو کل تک ہر محفل میں ہر سوال کا جواب دے کر محفل کا رنگ بگاڑ دیتا تھا۔ آج

Marfat.com

اس کی قابل رحم نادانی اور چرکنم کا یہ حال ہے۔ فرماتے ہیں :۔ مبادا ہیچ کس را آں چناں غم کہرا آں روز بودہ دماغ میں جواب پیدا ہونے کی جگہ دل میں غم کی لہریں اُٹھنے لگیں۔ اور کیسی لہریں جن کی کسک آخری وقت تک نہیں بھولے۔ دعا کرتے تھے کہ خدا کسی پر ایسا سخت دن نہ لائے اور ایسے غم میں کسی کو مبتلا نہ کرے۔ دل کے اس درد، اور سینہ کی اس سوزش کا علاج اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا جو ہمیشہ غم دیدوں کا آخری علاج ہے خود ہی فرماتے ہیں کہ "گریہ درمن اُفتاد"۔ اور یہی گریہ اصل مقصود تھا جس سے سب کچھ دُھل جاتا ہے جسے وہ اپنے ساتھ دلی سے، دلی کے مدرسوں سے لائے تھے۔ روتے تھے۔ روتے جاتے تھے کوئی چُپانے والا بھی نہیں تھا۔ جب تک رونا ممکن تھا روتے رہے۔ آنسوؤں کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ اب کیا کروں۔ فرماتے ہیں "مضطرب و حیراں بیروں آمدم"۔ سننے والے سُن رہے ہیں کہ بیروں آمدم کس ارادے اور کس قصد سے ہوا ہے۔ شیخ نجیب الدین نسخہ صحیح دارد۔ صرف علم کے اس

دعوے نے آج رونے والے کو حجرے سے باہر نکالا ہے۔ اس لیے باہر نکالا ہے کہ "تا رسیدم بر سرِ چاہے" کیا پانی پینے کے لئے؟ کیا منہ دھونے کے لیے؟ غم کی گرمی میں ٹھنڈک پیدا کرنے کے لیے بر سرِ چاہے رسائی ہوئی ہے؟ انہیں سے سنئے جو اس کنوئیں کے کنارے آکر کھڑے ہوئے ہیں۔ "خواستم کہ خود را دریں چاہ اندازم" معالج نے علاج سے انکار کیا ہے۔ اُس مریض سے پوچھئے جو طبیب سے آخری جواب لے کر واپس ہوا ہو۔ نوّر اللہ مضجعہ السعدی حیث قال۔

ماجرائے دلِ دیوانہ بگفتم بہ طبیب
کہ ہمہ شب درِ چشم است بفکرم بازم
گفت ازیں نوع حکایت تو گفتی سعدی
دردِ عشق است۔ ندانم کہ چہ درمان سازم!

پھر کچھ خیال آیا۔ "تا ایں بدنامی بہ کہ باز گردد"۔ کنوئیں میں فقیر کو کس نے دھکیل دیا۔ اس تہمت میں کس کس کی گرفتاری ہو۔ فرماتے ہیں اسی خیال نے چاہ اندازم کے ارادے سے باز رکھا۔ عقل و ہوش کا تکلیفی سرمایہ اگرچہ

Marfat.com

گم ہو چکا تھا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ تحت شعور میں خودکشی
کے جرم کا خیال بھی مانع رہا ہو۔ بہرحال کنوئیں کی منڈ
سے نیچے اتر آئے۔ اور "دریں محنت و حیرت
سراسیمہ وار جانب صحرا بیروں رفتم"۔ اجودھن کی فضاء
میں کسی کے نالہائے زار ابھی تک گونج رہے ہونگے
فرماتے ہیں "جانب صحرا بیروں رفتم۔ باجود گریہ وزاری
کردم" خدا ہی جانتا ہے کہ گریہ و زاری کا یہ طوفان
کب تک امنڈتا رہا۔ ہفتہ گزرا یا مہینہ ـــ شیخ کبیر
کے ایک صاحبزادے تھے۔ شہاب الدین لقب ـ
سلطان جی اور ان میں میل تھا۔ موقع مناسب پا کر انہوں
نے سلطان جی کا حال شیخ کبیر کے سامنے عرض کیا۔
جو مقصود تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ حاضری کی اجازت
مرحمت فرمائی۔ "پھر بیایدم۔ سر در قدم مبارک آوردم"
جرم کی معافی ہو گئی۔ معافی کے دوسرے دن طلبی ہوئی
اور ارشاد ہوا۔ یعنی جو راز تھا اس سے پردہ اٹھا دیا
گیا۔ شیخ کبیر مولانا نظام الدین بحاث و محفل شکن کو
جو اب بابا فرید رح کے "نظام" بن چکے تھے۔ مخاطب
کرکے فرمانے لگے۔ "ایں ہمہ برائے کمال حال تو
می کردم" مرید سے پیر کا کیا تعلق ہوتا ہے۔ یہ

Marfat.com

راز اسی دن واضح ہوا۔ شیخ کبیر نے فرمایا۔ پیر مشاطۂ مرید باشد۔ مرید کی ساری ژولیدگیوں کو وہی سلجھاتا ہے۔ میل کچیل دھو دھا کر صاف کرتا ہے۔ غازہ ملتا ہے۔ بال سنوارتا ہے۔ اور یوں یحببکم اللہ[1] کے مقام پر پہنچا کر اُسے ملاء اعلےٰ کا، اور ملاء اعلیٰ کا اثر ملاء ادنےٰ پر۔ پھر ملاء ادنےٰ سے محبوبیت کی وہی کیفیت قلوب انسانی میں پھیل جاتی ہے[2]۔ سلطان جی فرماتے ہیں اس ارشاد کے بعد "مرا خلعت فرمود۔ بکسوتِ خاص مرا مشرف گردانید" پندار و خودی کا مواد اگر اتنے کارگر نشتر کے بعد بھی نہ نکلتا تو کب نکلتا...... یہ تھا صفائی کا پہلا مقام جس پر پہنچنے کے بعد سے

---

[1] خدا کے تم محبوب بن جاؤ گے اگر تم اپنے اندر میرا رنگ ڈھنگ اور میری شان پیدا کر لو گے۔ حضرت حق سے محبوبیت ذاتی کا جسے تعلق ہے اُسی کی زبان سے اعلان کرایا گیا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اس آیت سے کون واقف نہیں۔

[2] ایک صحیح حدیث جو عام طور پر مشہور ہے۔ اسی کا یہ حاصل ہے

فکرِ خود درائے خود در عالم رندی نیست
کفر است دریں مذہب خود بینی و خود آرائی

مشاطگی یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ ابھی اور بھی نکھارنا تھا۔ اس کا بیان بھی مولانا گیلانی کی زبان سے سننے کے لائق ہے۔ لکھتے ہیں :-

حقیقی آزادی کی تلاش میں سلطان المشائخ شیخ کبیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ سلطان جی جب اجودھن میں تھے تو ان کا ایک رفیقِ درس اس عرصہ میں اجودھن پہنچا۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر جس میں بظاہر وہ مبتلا نظر آتے تھے اسے بڑا تعجب ہوا اور بولا نظام الدین ترا چہ پیش آمد۔ دہلی میں اگر لڑکے پڑھانا شروع کر دیتے تو بھی اچھے رہتے اسی عرصہ میں شیخ کبیرؒ نے حضرت نظام اولیاء کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تمہاری موجودہ حالت کو دیکھ کر اگر کوئی پوچھے تو کہنا۔

نہ ہمرہی تو مرا۔ راہ خویش بگیر۔ برو
ترا سعادت بادا۔ مرا نگونساری

کیا شبہ ہے کہ سننے کی حد تک اور کہنے کی حد تک شعر بڑا لذیذ ہے لیکن جب اس پر عمل کرنے کا

Marfat.com

وقت آتا ہے تو کہتے ہیں کہ سعادت چھوڑ کر نگونساری اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ سلطان المشائخ کا بیان ہے کہ شیخ کبیر شکر گنج نے صرف شعر سنانے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کے بعد حکم دیا۔ "در مطبخ بردہ۔ وبگو تا خوانے پُر بالوانِ نعم آراستہ بیارند"۔۔۔۔۔۔ شیخ کبیر شکر گنج نے ان کو مطبخ بھیجا کہ ایک مکلف خوان مرتب کر کے میرے پاس لایا جائے۔ خوان آگیا۔ کس لیے آیا؟ سلطان المشائخ سے ہی سنئے مجھ ہی کو خطاب کر کے اشارہ ہوا:۔

"نظام ایں خوان را بر سرکن و در مقامے کہ آں یار فرود آمدہ است بہ بُرد" ابھی جب ہمدرس نے مولانا نظام الدین کو دلی میں محفل شکنی میں مصروف پایا تھا۔ اور اسی بنیاد پر ان کی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے کہا تھا کہ "اگر در شہر تعلیم کردے مجتہد زمانہ شدے" اسی بیچارے مجتہد زمانہ کا یہ انجام ہے کہ اس کے سر پہ خونچہ رکھا جاتا ہے اور وہ ردیہ بازار کے بیچ سے۔ بھری ہوئی مخلوق کے سامنے سے اسی کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس طعنہ دینے والے ساتھی کے پاس اس خوان کو لے جاؤ۔ خودداری کے گھاؤ رکھنے والے

Marfat.com

کیا اس بوجھ کو برداشت کر سکتے تھے؟ آزاد رائے، آزاد فکر کیا اس بوجھ کو اٹھا سکتی تھی؟ "ترا سعادت بادا مرا نگونساری" کی لذت صرف کانوں تک نہیں بلکہ روح کی گہرائیوں میں جب اتر جاتی ہے تو پھر سب کچھ اٹھا لیا جاتا ہے اور سر پر خونچہ بھی دھر لیا جاتا ہے۔ دیکھو مولانا نظام الدین اسی حال میں اجودھن کے بازار سے گزر رہے ہیں۔ خود فرماتے ہیں" من بحکم فرمان خواجہ آن خوان را بر سر گرفتم و روان شدم و در سرائے کہ آں یار فرود آمدہ بود، آوردم"۔ مجتہد زمانہ ہونے کی صلاحیت رکھنے والا سلطان جی سے کسی حد تک متاثر تھا۔ اس کا اندازہ آپ اس سے کیجئے۔ خود حضرت کا بیان ہے۔ "چوں نظرِ آں یار بر من افتاد گریہ کناں دوید۔ جو دلّی میں اتنا بلند تھا کہ دنیا اس کو سر پر اٹھاتے ہوئے تھی آج وہ ایک معمولی خدمتگار کی مانند بر سرِ بازار۔ سر پہ خونچہ لیے چلا آ رہا ہے۔ یہ حال تھا ہی اتنا رقت انگیز کہ وہ چیخ اٹھا۔ روتے ہوئے دوڑا۔ "و خوان از سر من فرود آورد و پرسیدن گرفت کہ ایں چہ حال است" سلطان جی اس کے سوا کہہ ہی کیا سکتے تھے۔ "آں تحمل

کہ تو دیدی ہمہ بر باد اُفتادہ"

جو دل چاہے۔ دماغ چاہے وہ نہ چاہا جائے۔ اس کی مشق گاہ میں یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ جھوٹی عزت اور جھوٹی ناموس کا علاج کرنے والے یہی علاج کرتے ہیں۔ سننے والا اور دیکھنے والا بھی آخر آدمی تھا۔ انسان کسی حال میں بھی ہو۔ کیسی ہی دلدل میں پھنسا ہو لیکن حقیقت شناسی کے فطری جواہر بھی انہیں کیچڑوں میں کسی سخت ضرب سے چمک اُٹھا کرتے ہیں۔ اب وہ بھی روشنی میں تھا۔ اعتراف کرنے لگا۔ "ایں چنیں شیخے معظّمے داری کہ نفسِ ترا بدیں حد ریاضت دادہ است"۔ "نفسِ ترا بدیں حد ریاضت دادہ است" یہ تھی سارے قصہ کی روح۔ جیسے افسوس اُس زمانہ میں وہ بھی پا لیتے تھے جو کچھ پاتے ہوئے نہ تھے۔ اُس نے بھی شیخ کبیر کی قدم بوسی کی تمنّا ظاہر کی۔ سلطان جی نے کھانا کھا لینے پر اصرار کیا۔ کھانا کھا لیا گیا۔ اب خونچہ خالی ہو چکا تھا۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد "دانشمند خدمتگار خود را گفت ایں خوان بر سر کن د برابرِ ما بیا"۔ وہ خدمتگار سے یہ کہہ رہا تھا کہ خوان لے کر ہمارے ساتھ چل۔ مگر خدمت لینے

Marfat.com

والے نے یہ خدمت جس کے سپرد کی تھی اس نے کہا۔ "خیز۔ چنانکہ آن خوان آوردہ ام ہمچناں کرم وبرسانم" یہ کہتے ہوئے جس خوان کو ان کے شیخ نے سر پر چڑھایا تھا پھر سر پر اٹھا لیا۔ دانشمند مجبور تھا۔ کیا کرتا۔ اسی حال میں "آں دانشمند برابر سلطان المشائخ بخدمت شیخ الشیوخ آمد"۔ اس قصہ کے براہ راست راوی حضرت چراغ دہلوی" نے یہ فرما کر فقرے کو ان الفاظ پر ختم کیا۔ "و از سر رعونت بہ خاکپا درگاہ آں بادشاہ اہل محبت نہاد" (سیر الاولیاء)

اب کلیجے پر ہاتھ رکھ کر مشاغل کے معنی سمجھے جائیں اور سوچا جائے کہ خواجگان چشت کو خدا مُفت میں ملا یا ان کی تعلیم راگ رنگ اور کھیل سے باکیا؟

بعد ازاں حضرت محبوب الٰہی رح کو جملہ الفاظات و ولایت عطا کرکے ارشاد کیا۔ تمہیں خدا کے سپرد کیا۔ میں خواجہ قطب صاحب رح کے وصال کے وقت اُن کی خدمت میں حاضر نہ تھا۔ تم کبھی میرے آخری وقت میں میرے پاس نہیں ہوگے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق رح سے مثال لکھوا کر عنایت فرمائی کہ شیخ جمال الدین ہانسوی رح سے مہر لگوا لینا اور دہلی میں مشیخ

Marfat.com

منتجب الدین ؒ کو دکھا لینا۔ اس کے بعد میرے سر کو اپنے آغوش میں لے کر اپنا لعابِ دہن میرے منہ میں ڈال کر ہدایت کی کہ کلام الٰہی حفظ کر لینا۔ "دین و دنیا ترا دادہ اند۔ ہمہ ایں است" اور یہ فرما کر رخصت کر دیا۔

"برو و ملک ہند بگیر" [1]

---

[1] سیر الاولیاء

Marfat.com

۱۰

آخری شب

۵ محرم ۶۶۱ھ / ۱۲۶۲ء[1]

موت یقینی ہے۔ موت کا وقت معیّن ہے۔ گو علم نہ ہو اپنے وقت پر آتی ہے اور نیک و بد کسی کو نہیں چھوڑتی کوئی ٹالنا بھی چاہے نہیں ٹال سکتا۔ نفس اس کے نام سے گھبراتا ہے۔ مگر روح لبیک کہتی ہے۔

---

[1] سال وصال کے متعلق مختلف تذکرے مختلف البیان ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔
۱۔ سیر الاقطاب ۶۹۰ھ۔ ۲۔ راحت القلوب ۶۸۶ھ
۳۔ خزینۃ الاصفیا ۶۷۰ھ

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

موت ایک طرف جبر و اختیار کی بحث کا فیصلہ کرتی ہے تو دوسری طرف جسم و روح کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ اب

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

۴- جواہر فریدی - ۵- سیرالاولیا
۶- اخبار الاخیار - ۷- سفینۃ الاولیا } سنہ ۶۶۴ھ

۸- فرشتہ - سنہ ۶۶۰ھ

۹- منتخب التواریخ بدایونی جبکہ ہلاکو کے سفیر ناصرالدین محمود کے دربار میں آئے سنہ ۶۵۶ھ

۱۰- عہد ناصری کی تواریخ کا بیان ہے کہ بابا صاحب کا وصال کشلو خان اور حضرت زکریا رح کی رحلت کے بعد سنہ ۶۶۰ھ میں ہوا تھا اور ان دونوں کی تاریخ وصال سنہ ۶۵۹ھ اس مصرع سے نکلتی ہے۔

زتیر عشق ربانی یکے زخمی دگر خوں شد

۱۱- لیکن ان سب سے زیادہ معتبر و مستند بیان حضرت سلطان المشائخ رح کا ہے کہ ۹۲ سال کی عمر میں حضرت زکریا رح کے وصال کے تین برس بعد شیخ کبیر کا وصال سنہ ۶۶۱ھ میں ہوا۔

۱۲- سلطان المشائخ کے بیان کی بہترین تائید ہے۔ کہ حضرت بدرالدین سلیمان رح نے پانچ سال سجادگی کی اور ان کا وصال سنہ ۶۶۵ھ میں ہوا۔ یعنی وہ سنہ ۶۶۱ھ میں سجادہ نشین ہوئے تھے۔ لہذا نتیجہ ظاہر ہے کہ سنہ ۶۶۴ھ میں ان کا وصال نہیں مانا جا سکتا۔ جب سال وصال سنہ ۶۶۱ھ ہے تو سال ولادت سنہ ۵۶۹ھ معتبر ہے۔

Marfat.com

اس کے متعلق کوئی کچھ کہے مگر موت ایک سیدھا سادھا برملا واقعہ ہے۔ لوگ اس کو مانتے ہیں۔ جانتے ہیں۔ اس سے انکار کسی کو نہیں۔ لیکن جیسا کہ اس یقینی شے کو سمجھنا چاہئیے سمجھتے نہیں۔ اس کے متعلق یقین، یقین کے درجہ تک نہیں رکھتے۔ موت بھی غیب کے عوالم میں سے ایک عالم ہے غیب پر یقین رکھنا معمولی بات نہیں۔ موت کے متعلق تدبّر نہیں کیا جاتا۔ تدبر و تفکر کی وہاں تک رسائی نہیں۔ معلوم نہیں کہ حیات بعدالموت کے کیا معنی ہیں۔ اگر موت کی حقیقت کا علم ہو اور روح کے متعلق واقفیت ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے استقبال کے لیے ہر شخص طیار نہ ہو۔ اس صورت میں دنیوی زندگی کچھ سے کچھ ہو جاتی اور مرتے وقت اعزاء و احباء سے پوچھا جاتا کہ اگر روحی فداہٗ سیدالکونین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے پیام و سلام کہنا ہو تو بتادو تاکہ کہہ دیا جائے۔ اگر موت کا استقبال کرنے کی جرأت ہوتی تو روح میں وہ قوت ہوتی جو ہماری روحوں میں نہیں پائی جاتی۔ یہی وہ قوت تھی کہ سد

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

اسی قوت کی وجہ سے بغیر اسباب کے بغیر کسی پر ظلم کیئے ہوئے دنیا کو تسخیر کیا۔ دنیا میں عدل و رحم کی اشاعت کی اور اور تمام عوالم کو قبضہ میں کر لیا۔ ع

Marfat.com

عرش کچھ دور نہ تھا دست دعا سے پہلے

جسم باوجود اتصال رکھنے کے روح کا غیر سمجھا جاتا ہے۔ باوجود دوستی کے اس غیریت کی وجہ سے جسم روح پہ بار بھی ہے۔ اس غیریت اور بار کو دور کرنے کے متعدد اشکال ہیں۔ اور ہر شخص بخیال خویش خبطے دارد۔ مگر ایک یہ ہے کہ قلب کو قوی بنایا جائے اور اتنا کہ قلب قالب کو زیر کر لے۔ اس طرح روح کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ پھر ایک منزل ایسی بھی آجاتی ہے کہ اپنی پوری قوت کے ساتھ روح قطعی طور پر غالب کو جذب کر لیتی ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک جو نفس چاہے جو دماغ چاہے وہ نہ چاہا جائے۔ اس حالت میں اپنی مرضی مرضی نہیں رہتی۔ اور نہ اُمید و مایوسی سے واسطہ رہتا ہے۔ دل بہ دست دگرے دادن و حیران بودن کا یہی مفہوم ہے جو جسم قلبی قوت سے طاقت حاصل کرتا ہے وہ ہر نوعیت سے اس جسم سے افضل ہوتا ہے جو دنیوی اسباب کے ذریعہ توانائی حاصل کرتا ہے۔ اب جسدِ خاکی کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ مٹی ہے، مٹی میں مل جاتا ہے مگر طاقتور روح اور نورانی قلب کی تاثیر اس مٹی کو دوسری مٹیوں سے ممتاز بنا دیا کرتی ہے۔

عمر بھر کی باقی رہنے والی جدوجہد جب روح کے نقطۂ

Marfat.com

کمال کو پہنچی تو حضرت فرید فرد شکر گنج مسعود رحمۃ اللہ علیہ کو روح الارواح نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ رجعت کا وقت رات میں مقرر تھا۔ رات عشاق کے لیے عید ہوا کرتی ہے یہ روحِ پاک یہ کہتی ہوئی مرکز کی طرف چلی گئی۔ ؎

درکوئے تو عاشقاں چناں جاں بد ہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

اُس روز دن میں پانچ قرآن ختم کیے۔ پھر ذکر میں مشغول ہوئے۔ فارغ ہوکر شام کے وقت حاضرین سے کہا تنہا چھوڑ دو۔ بلانے پر آجانا۔ عشا کی نماز پڑھی۔ فوراً ہی پیغام آگیا۔ سنتے ہی بیہوش ہو گئے۔ یہ غشی خدا جانے کیسی تھی مگر ہوشیاری کے معنی رکھتی تھی۔ اس غشی کو معاہدے کی انتہائی محویت کہا جا سکتا ہے اس سے رجوع الی اللہ کے معنی کھلتے ہیں۔ حاضرین باہر سے اندر آگئے۔ ہوشیار ہوئے تو دریافت کیا میں نے نماز پڑھ لی؟ بتایا گیا۔ پڑھ لی۔ ارشاد کیا۔ کیا مضائقہ ہے ایک بار اور پڑھ لوں۔ بعد ادائے نماز پھر محویت طاری ہوگئی۔ تین مرتبہ یہی صورت پیش آئی [1] نماز کی عادت تھی۔ سجدوں سے ذوق تھا۔ یہ

---

[1] غشی کے بعد نماز پڑھنے کے لیے وضو کرنے کا دستور ہے۔ عام و معمول ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ سیر الاولیاء میں اس کیفیت و حالت میں صرف ایک مرتبہ وضو کرنے کا ذکر ہے۔

Marfat.com

عادتِ بندگی مرض الموت میں بھی نہیں چھوٹی۔ بندہ کا کمال یہ ہے کہ "عبدہٗ" بن جائے۔ یہ "عبدہٗ" ہونے کا ثبوت ہے کہ مالکِ حقیقی کی صحیح معرفت کا اظہار آخری سجدے میں کیا۔ یہ آخری سجدہ تھا جس میں اپنے عجز اور معبود کی کبریائی کا بآواز بلند اعلان کیا۔ "یا حیّ یا قیوم" کہہ کر برحمت پیوست۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

وہ اسی دن کے لیے جیتے تھے۔ حیات دنیوی کے ہر حصہ میں اسی گھڑی کی آرزو کرتے تھے اور وجد و ذوق میں ہر وقت پڑھا کرتے تھے۔ زبان سے ہی نہیں بلکہ دل سے پڑھتے تھے۔ اور دل کی آواز روح کی گہرائیوں میں سما گئی تھی۔

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم
خاکے بشوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ من بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم و از برائے تو زیم

جس کی ناسوتی حیات رحمت ہو اس کی رحمت سے قرب رکھنے والی ابدی زندگی کا اندازہ ظاہری ہوش و حواس سے ممکن نہیں۔ انہیں بقا مل گئی۔ ان کی محبت میں اب بھی اثر ہے اور محبت کے ذریعہ وہ اب بھی مل سکتے ہیں۔

Marfat.com

۱۱

حسنِ ذات اور حسنِ سلوک

ذات تو ایک ہی ہے اور صفات ان گنت۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ صفات جزوِ ذات ہیں یا غیرِ ذات۔ مگر یہ ذات کا پردہ ضرور ہیں۔ پھر بندے اور باری تعالیٰ کے تعلقات کے متعلق مختلف بحثیں ہیں۔ حادثہ و قدیم کا جھگڑا کسی پہلو چین نہیں لینے دیتا وجود و شہود کا مسئلہ عذابِ جان بن گیا ہے مگر اس سے کسی کو انحراف نہیں کہ سب کا مقصد اخلاقِ الٰہی کا حصول ہے۔ محبت اور شوق کی فراوانی جب اخلاقِ الٰہی سے آراستہ کر دیتی ہے تو اہلِ دل ان بحثوں میں سر نہیں پھرایا کرتے۔ ان بندوں کی خصوصیت یہ ہو جاتی ہے کہ بے نشان رہتے ہیں اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق

Marfat.com

عطیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرواتے ہیں۔ وہ خود کچھ نہیں کہتے مگر اُن کی عزت و عظمت حدیث دیگراں بن جاتی ہے۔

مشاہدے کا اختلاف، تصور کا عجز اور قلم کا ارتعاش حضرت بابا صاحب رح کی اعلیٰ شخصیت اور مرتبہ کی عُلوّیت پر پردہ نہیں ڈال سکتا۔ ان کے مجاہدات عقل کو حیران کر دیتے ہیں ان کے جلوے نگاہوں کو خیرہ بنا دیتے ہیں اور قلوب ان کی عظمت کا احساس کرتے ہیں۔ وہ نام و نمود سے پرہیز کرتے تھے۔ لیکن شہرت تھی کہ ان کے کردار پہ قربان ہوتی تھی۔ ظاہری تکلفات کا ان کے یہاں نام نہ تھا۔ اخلاقِ الٰہی سے پیدا ہونے والی حقانیت قلوب کو مسخر کرتی تھی اور خلوص و محبت دیکھ کر دنیا ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھی۔ وہ اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اسی رنگ میں دوسروں کو بھی رنگ لیتے تھے۔ اور یہ صبغۃ اللہ ہی تھا جس کی آب و تاب پر دل و جان نثار کیے جاتے تھے ایک بخیل اپنی متاع کو چھپا کر رکھتا ہے۔ ایک امیر اپنی ریاست کا اظہار کرتا ہے۔ بخیل کی متاع پر اجناد کا قبضہ ہو جاتا ہے امیر کی دولت دشمن بن جاتی ہے۔ مگر یہاں ایسا خزانہ ہے جو دکھائی نہیں دیتا۔ جتنا لٹایا جاتا ہے اس سے زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ ان کی فیاضی و سخاوت کا یہ عالم تھا کہ دوست و دشمن سب خیر مناتے تھے۔ غیبی خزانے کے علاوہ فتوحات

Marfat.com

کی کثرت تھی جو اسی وقت تقسیم کر دی جاتی تھی۔ بارگاہ اقدس میں اگر کوئی نذرانہ نہ بھی لاتا تو بھی دامن مراد بھر کر واپس لوٹتا۔ عقیدتمند اور بے عقیدہ دونوں مستفیض تھے۔ ایسی ہستی اور اس کے اوصاف کا تصوّر دل ہی میں کیا جا سکتا ہے۔

جسمِ مبارک وجود کا ایک ہیولیٰ تھا۔ گوشت پوست سے منسوب۔ لباس پھٹے پُرانے کپڑوں پر مشتمل تھا۔ پیوند لگے ہوئے پُرانے کپڑوں کی ستھرائی کا اندازہ یُوں کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ احمد سیوستانیؒ سے کپڑے بار بار اس وقت تک دُھلوائے جب تک کہ طاہر نہ ہو گئے۔ معلوم ہُوا کہ دھونے کے بعد کپڑے جس درخت پر سُکھانے کے لیے پھیلائے جاتے تھے اس پر گندگی لگی ہوئی تھی۔ اس کو وہم سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ طبیعت کی نزاہت کا ثبوت ہے۔ جسم کی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ بار بار غسل فرمایا کرتے تھے۔ مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ وضو کے بجائے غسل کیا کرتے تھے۔ خالی معدے سے اُٹھنے والی آتش سیال بدن کو پھونکتی رہتی تھی۔ اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے غسل و وضو کثرت سے کرتے تھے۔ قلب کے ذکر و سوز سے مل کر یہی آتش روحانیت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے۔ ذکر و تصوّر کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے۔ مشاہدے کو

Marfat.com

استغراق میں بدل دیتی ہے۔ اور یہی محویت مجذوبیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ بہر حال جسم مبارک کی نورانیت خود اپنی طرف متوجہ کر لیا کرتی تھی۔

ایک مرتبہ کسی نے ایک نیا کُرتہ نذر کیا۔ دل دہی کی خاطر پہن لیا مگر اُسی وقت اُتار کر متوکل صاحب کو دے دیا اور فرمایا ذوق پھٹے پرانے کپڑوں میں ہی ملتا ہے۔ ایک گُدڑی تھی جس پر دن کو بیٹھا جاتا تھا اور رات کو اوڑھی جاتی تھی۔ اگر اُوپر کو سرکا لیتے تو پیر کھُل جاتے اور بستر خالی رہ جاتا۔ پاؤں ڈھانکنے کے لیے علیحدہ سے ایک ٹکڑا ڈال لیا جاتا تھا۔ مُرشد کا عصا، تکیہ کا کام دیتا تھا۔ دربار میں جب جلوہ فرماتے تو ایک مختصر سی چادر لاغری کا پردہ بن جاتی۔ اور وقار و وجاہت کی نمائش کرتی۔ خوراک مختصر و سادہ تھی۔ اجودھن پہنچ کر پیلو کے پھلوں اور درویشانہ روٹی پر قناعت کی۔ درویشانہ روٹی سے زنبیل گردانی مراد ہے۔ فتوحات کا دروازہ کھُلا تو بارگاہ عالی کا بھی دروازہ آدھی رات تک کھُلا رہنے لگا۔ جماعت خانہ میں تمام ضروری سامان مہیا و موجود تھا۔ آیند و روند شکم سیر ہو کر کھاتے۔ مقیم حضرات بخوبی بسر کرتے۔ اُن میں قرآن حفظ کرنے والوں کی کثرت تھی۔ ہر شخص مطمئن اور مگن تھا۔ مگر جب عسرت و تنگی جاتی

Marfat.com

بڑی تو کبھی گھر والوں کو فاقے ہوتے تھے۔ بدرالدین اسحٰق لکڑیاں بین کر لاتے۔ جب تک مقیم رہتے جمال ہانسوی کریل کے پھل جمع کرتے۔ حسام الدین پانی بھرتے۔ کھانا پکانے والوں میں شمس الدین دبیر کے ساتھ حسام الدین کا بھی نام ہے۔ خواجہ احمد سیوستانی کپڑے دھوتے۔ شیخ عیسیٰ نجی خدمات ادا کرتے اور ایک غلام اُن مبارک یا رضی مبارک بھی حاضر خدمت رہتا حضرت والا کا کھانا اکثر نمک سے بے نیاز ہوتا۔ خوشحالی کے زمانہ میں ایک مرتبہ بقال سے قرض لے کر محبوب الٰہی رح نے نمک ڈال دیا تھا۔ لقمہ اُٹھاتے ہی فرمایا کہ مشتبہ ہے اور فقراء میں تقسیم کروا دیا۔ جب سلطان المشائخ نے غلطی کا اعتراف کیا تو فرمایا کہ فقیر کو قرض لینے سے مر جانا بہتر ہے۔ قرض توکل کا دشمن ہے۔ زیادہ تر صائم رہتے اور صوم دوام کے عادی تھے۔ افطار تیسرے روز شربت کے پیالے سے ہوتا تھا۔ یہ شربت مویز کے پانی سے بھی اکثر بنتا تھا۔ اس میں قدرے ستو بھی کبھی کبھی شامل کر دیئے جاتے تھے۔ اس کا آدھا یا تیسرا حصہ حاضرین کا حصہ ہوتا تھا۔ بقیہ میں سے بھی کچھ حصہ کسی کسی کو دے دیا جاتا تھا۔ پھر عشاء کی نماز سے قبل گھی سے چپڑی ہوئی جوار کی دو روٹیاں پیش کی جاتیں۔ دونوں کا وزن سیر بھر سے کم ہوتا تھا۔ ان کی بھی تقسیم شربت کی طرح کی جاتی تھی گویا

Marfat.com

ہر تیسرے روز پاؤ سوا پاؤ کی روٹی پیٹ میں پہنچتی تھی۔ بعد نماز عشا الوانِ نعمت سے بھرا ہوا سرخ دسترخوان بچھایا جاتا جملہ حاضرین کھاتے اور خود سب کی تواضع فرماتے۔ انگور بہت پسند تھا اس لیے کھایا کبھی نہیں۔ سیر الاولیاء کی روایت ہے کہ کبھی کبھی پان سے بھی شوق فرماتے تھے۔ اس خوراک و غذا پر ہمت و قوت اتنی تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔ اتنی غذا محض جسم کا نظام قائم رکھنے کے لیے کھائی جاتی تھی اور نقاہت کا بدل روحانی طاقت سے ہو جاتا تھا۔ چہرہ کی چمک دمک آفتاب کو شرمانے کے لیے کافی تھی۔

سلطان جی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو مجھے اور دوسرے عزیزوں کو جن میں جمال ہانسوی بھی شامل تھے[1]

---

[1] ۶۶۴ھ میں شیخ جمال اور شیخ عابد اجودھن سے رخصت ہو آئے تھے۔ اس کے بعد ساتویں حاضری شیخ جمال نے اس وقت دی تھی جبکہ سلطان المشائخ دوبارہ حاضر ہوئے تھے اور سات ماہ سے کچھ دن زیادہ مقیم رہے تھے۔ اسی موقع کے متعلق صاحب سراج العنب نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اجودھن سے شمس دبیر، شیخ جمال اور سلطان جی ایک ساتھ واپس ہوئے تھے۔ سلطان المشائخ جب تیسری حاضری کے لئے گئے ہیں تو ہانسی ہو کر گئے ہیں اور حضرت جمال نے ان کی موقت کہلا بھیجا تھا کہ آج کل سختی سے گزرتی ہے

Marfat.com

حکم ہوا کہ شہیدوںؔلہ کے مزارات پر جاکر صحت کے لیے رات بھر دعا کریں۔ صبح کو جب ہم واپس آئے تو فرمایا تمہاری دعا سے کچھ نہ ہوا۔ علی بہاری نے عرض کیا کہ ہم ناقصوں کی دعا آپ جیسے کاملوں کے حق میں کیا اثر رکھ سکتی ہے۔ میں نے بھی اسی قسم کا عذر پیش کیا تو مجھ سے ارشاد ہوا کہ میں نے دعا کی ہے کہ تمہاری دعا قبولیت کا درجہ حاصل کرے۔ اس کے بعد مجھ سے اور مولانا بدر اسحٰق سے کہا کہ تم دونوں آج پھر مزارات پر جاکر دعا کرو^۲۔ جب بعدِ تعمیل صبح کو ہم دونوں واپس آئے تو فرمایا اب افاقہ ہے۔

اجودھن کے ایک قاضی کو ٹلّی پُرخاش تھی۔ بہت ستاتا تھا۔ مگر کبھی اُف نہ کی۔ کسی ساحر نے جب سحر کیا تو اسے معاف کر دیا (فرشتہ)

عمر کے آخری حصہ میں بیماری کی وجہ سے روزے قضا کرنا پڑے تھے ایک دن رمضان میں خربوزہ کی ایک قاش سلطان جی کو عطا کی۔ فرماتے ہیں میں روزے سے تھا۔ خیال آیا کہ آئندہ یہ سعادت حاصل ہو یا نہ ہو۔ اس قاش کو کھا لینا چاہیئے۔ بعد کو کفّارے کے پے در پے دو مہینے کے روزے رکھ لیے جائیں گے۔ میں اسی تصور کے ساتھ کھانے کو ہی تھا کہ منع فرمایا۔ "ایسا نہ کرنا۔ مجھے تو شریعت کی طرف سے اجازت ہے، مگر تمہیں نہیں"۔

لہ شہیدوں کے مزار سے حضرت عزیز مکی اور ان کے رفقاء کے مزار مراد ہیں۔

۲ہ دوسری مرتبہ مزارات کی حاضری کے لیے حضرت جمال کو تکلیف نہیں دی گئی

Marfat.com

ایک مرتبہ باہر سے سات درویش آئے۔ سب نے اپنی اپنی پسند کا کھانا اپنے دل میں طے کر لیا کہ آزمائش کریں۔ کھانا جو پیش کیا گیا تو ہر شخص کی خواہش کے مطابق تھا۔ وہ سب قائل ہوگئے۔

ایک مرتبہ جوالقیون[1] کا ناشائستہ گروہ آیا اور حسبِ معمول و عادت بیہودہ باتیں بکنے لگا۔ کہا کہ تم نے اپنے آپ کو بت بنا رکھا ہے جواب دیا میں نے نہیں بنایا ہے۔ جو کچھ بنایا ہے خدا نے بنایا ہے۔ کئی مرتبہ اسی کی لوٹ پوٹ رہی، آخرکار وہ بدقماش جزبز ہوکر واپس چلے گئے۔

ایک دانشمند شیخ ضیاء الدین حاضر خدمت ہوئے۔ انہیں پریشانی و فکر تھی کہ اگر میرے علم کے علاوہ کسی اور علم کی بات پوچھی تو شرمندگی ہوگی۔ اُن سے انہیں کے علم کے مطابق سوال کیا کہ تنقیح مناطہ کیا ہے۔ مولوی صاحب نے تشریح کی اور نفی و اثبات کو بھی واضح کیا۔ مولوی صاحب کو حیرت ہوئی کہ میرے جی کی بات کیسے سمجھ لی۔

ابتداء میں جب شہرت ہوئی تو ایک مولوی صاحب تشریف لائے اور شرعی مسائل بتاتے بتاتے کہا کہ اسلام کے رکن پانچ ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا۔ ہم نے سنا ہے چھ رکن ہیں اور چھٹا رکن روٹی ہے۔ مولوی صاحب بہت بگڑے کہ ایسی بے سروپا بات نہیں کہنا

---

[1] دلق پوش

Marfat.com

چاہیئے۔ آخری دور میں وہی صاحب پھر تشریف لائے تو پچھلے رکن کے متعلق پھر سوال کیا۔ مولوی صاحب نے زجر و توبیخ فرمائی۔ اب باباصاحب رح نے ایک کتاب منگا کر دکھائی۔ دیکھتے ہی مولوی صاحب کا منہ فق ہو گیا اور پسینہ آگیا۔ کتاب کے اُس صفحہ پر وہ معاہدہ مولوی صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ جو مولوی صاحب نے روٹی حاصل کرنے کے لیے تحریر کیا تھا۔ قصّہ یہ تھا کہ حاجی حج سے واپس آتے ہوئے مولوی صاحب کا جہاز غرق ہو گیا۔ مولوی صاحب بچتے بچاتے ایک ویران ٹاپو کے کنارے آ لگے۔ وہاں خورد و نوش کی کوئی سبیل نہ تھی۔ بھوک سے جب بہت پریشان ہوئے، تو ایک روٹی بیچنے والا تیسرے روز اُدھر آ نکلا۔ مولوی صاحب نے اپنی تمام نمازوں کے معاوضہ میں اس سے روٹی خریدی اور پیٹ بھر لیا۔ اسی طرح پھر تیسرے روز تمام حجوں کا ثواب دے کر روٹی حاصل کرلی۔ اگلے تیسرے روز جب روٹی والا آیا تو اس نے کہا اب تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا آج روٹی جب ملے گی جب تحریر کر دو گے کہ نمازوں اور حجوں کا ثواب دے کر روٹی حاصل کی گئی۔ جو صفحہ اس وقت ان کو دکھایا گیا تھا اُس پہ وہی اُن کی دستخطی تحریر تھی۔ مولوی صاحب قدموں پر گر پڑے اور بیحد شرمندہ ہوئے

سلہ منقول از نظامی جنتری (رحیل معذرہ) مرتبہ خواجہ حسن نظامی صاحب رح

Marfat.com

حضرت داتا کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ شام کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے تھے۔ ہر رات دو قرآن شریف ختم کرتے تھے۔ نماز کے علاوہ سجدے بے شمار کرتے تھے۔ رمضان شریف کے ایام میں ہر شب دو قرآن تراویح میں سنایا کرتے تھے۔ آخر عمر میں تراویح بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ لیکن فریضہ نماز کھڑے ہو کر ادا کرتے تھے۔ اکثر استغراق طاری رہتا۔ حتیٰ یہ ہوتی کہ ان کے محبوب صاحبزادے شیخ نظام الدین نے پٹیالی کے مقام سے کسی کی معرفت سلام کہلا بھیجا تھا۔ کئی مرتبہ دریافت کیا کہ کون نظام الدین۔ آخر کار بڑی مشکل سے سمجھایا تو پوچھا خیریت سے تو ہیں۔

متعدد مرتبہ غشی کا احوال درج کیا گیا ہے۔ بعض مرتبہ دن دن بھر غشی رہتی تھی۔ اس صورت میں مرشد کا خرقہ شریف اوپر ڈال کر ہوش میں لایا جاتا تھا۔ خرقہ سے ہوش میں آجانا بظاہر کہانی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن خرقہ اپنی نوعیت سے وہ تاثیر بھی رکھتا ہے جو غشی دور کرنے والی ادویات اور خوشبویات میں ہوتی ہے۔ یعنی خرقہ کی روحانیت اپنے جذب وکشش سے توجہ کو پھر اس طرف لے آتی ہے۔ مثال اس کی ایسی ہی ہے جیسے پیراہن یوسفی کی خوشبو سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت عود کر آئی تھی۔

ایک فاضل و عالم نصیر نامی مرید نے ایک جوگی سے ترکیب پوچھ کر اپنے سر کے بال بڑھا لیے۔ مگر آپ نے اسے ٹوکا تک نہیں۔

Marfat.com

اُسی زمانہ میں جب حضرت غریب نوازؒ کے پوتے خواجہ وحیدالدینؒ بیعت کے لیے اجودھن تشریف لائے تو ادباً پہلے معذرت کی۔ مگر اصرار سے مجبور ہو کر مرید کر لیا۔ ان کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ بعد بیعت حکم دیا کہ سر منڈوا دو۔ انہوں نے تعمیل کی۔ اب نفیر کو بھی عقل آئی۔ انہوں نے بھی اپنے سر کا صفایا کروا لیا۔

جب حضرت صوفی حمیدالدین ناگوری کے نواسے شیخ شرف الدین بیعت کے لیے اجودھن آئے تو ان کی کنیز نے بربنائے عقیدت اپنے ہاتھ سے کاتے ہوئے سوت کی دستار ان کی معرفت نذر کو بھیجی تھی جب پیش کی تو قبول فرما کر کنیز کے حق میں دعا کی کہ خداوندا اس کنیز کو آزاد کر دے۔ بیعت سے مشرف ہونے کے بعد جب شیخ شرف الدین مجلس سے اُٹھے تو خیال آیا کہ کنیز دعا کی وجہ سے آزاد تو ضرور ہوگی لہٰذا بہتر ہے کہ اس کو فروخت کر کے فائدہ حاصل کر لوں۔ پھر خیال آیا کہ آزاد کرنے کا ثواب خریدار کو ملے گا، لہٰذا منفعت یا ثواب حاصل کرنے کی کشمکش میں متفکر رہے۔ آخر کار ثواب حاصل کرنے کی طے کر لی۔ دوسرے دن حاضر ہو کر اعلان کیا کہ میں نے کنیز کو آزاد کر دیا۔ (فوائد الفواد) نتیجہ یہ نکلا کہ نفس یوں بھٹکاتا ہے۔ اور نفس کو یوں شکست دی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ بحالتِ سجدہ زمین پر سر رکھے ہوئے یادِ الٰہی میں مشغول تھے ایک کرخت آواز والے نے بلند آواز سے وہاں پہنچ کر سلام

گیا۔ حضرت سلطان جی موجود تھے۔ بغیر سر اُٹھائے ہُوئے اُن سے کہا دیکھو یہ شخص زرد رنگ کا میانہ قد ترک ہے۔ جواب دیا صحیح ہے پوچھا اس کی کمر میں زنجیر ہے۔ عرض کیا ہے۔ سوال کیا۔ اس کے کان میں کیا ہے۔ بتایا کہ بُندا ہے۔ اس سوال جواب سے ترک کا چہرہ اُتر گیا۔ فرمایا۔ اس سے کہو کہ چلا جائے۔ ورنہ اس سے زیادہ رُسوا ہو گا۔ وہ جان بچا کر یکدم بھاگ گیا۔ غالباً خنجر چھپائے ہوئے کسی تانتی یا حاکم کے کہنے سے بُرے ارادہ سے آیا تھا۔

ایک مرتبہ ایک بُڈھے میاں مع اپنے لڑکے کے حاضر ہُوئے۔ گفتگو میں لڑکے نے دخل دیا۔ اور جوش میں زور زور سے بحث کرنے لگا۔ حضرت والا نے بھی بلند آواز سے جواب دیئے۔ حضرت شہاب الدین گنج علم اور سلطان جی دروازے کے باہر بیٹھے تھے۔ دونوں اندر آئے اور بے ادبی پر حضرت گنج علم رح نے اس لڑکے کے تھپڑ مارا۔ اس نے مقابلہ کرنا چاہا تو سلطان جی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حضرت والا نے حکم دیا۔ "باہم صفائی کرد"۔ شہاب الدین رح نے روپے ۵ کر دیئے اور باپ بیٹے ہنسی خوشی چلے گئے۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ بعد افطار مجھے اور رکن الدین رح کو قریب بٹھا کر دن بھر کے واقعات پوچھا کرتے تھے۔ اس روز کا ماجرا پوچھا تو میں نے کل داستان دُہرا دی۔ سُن کر تبسم فرمایا۔ جب یہ بتایا کہ میں نے اس لڑکے کا ہاتھ اس لیے پکڑا تھا کہ حضرت شہاب الدین سے

Marfat.com

گستاخی نہ کرنے پائے۔ ہنس کر کہا۔ نیک نے نیک کام کیا۔
کسی نے ایک مرید ممن کی شکایت کی کہ شراب پیتا ہے۔ بعد میں ممن سے دریافت کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ فرمایا بتانے والے نے غلط ہی کہا ہوگا۔ مگر اس کو اپنی صحبت میں رکھا اور خوب خاطر مدارات کی۔ حتیٰ کہ وہ شراب سے تائب ہو گیا۔ فوائد الفواد میں ان ممّن کو پوتا لکھا ہے۔ اگر یہ روایت پوتا ہونے کی صحیح ہوتی تو میاں ممن لفظ مرید سے مشخص نہ کیے جاتے بلکہ کنیت لکھی جاتی۔ لہذا یہ تحریف ہے۔ اور اگر تحریف نہیں ہے تو پسر نوح علیہ السلام کی مثال ہے۔
ایک مرید یوسف نے اپنی محرومی کی شکایت کی۔ جواب دیا۔ میری طرف سے کوتاہی نہیں ہے۔ تم اپنی قابلیت و استعداد پر غور کرو۔ جب خدا تعالیٰ ہی نہ دے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ کچھ دن بعد ایک چھوٹے بچے سے ڈھیر میں سے ایک اینٹ منگوائی۔ اس نے ایک اچھی اور سالم اینٹ لا کر پیش کی۔ پھر یوسف سے اشارہ کیا وہ ٹوٹی ہوئی اینٹ لائے۔ فرمایا خراب اینٹ لانا تمہارا فعل ہے نہ کہ میرا۔ میں بے قصور ہوں۔ نصیب کے ہاتھ بات ہے[1] (مگر ان ہی یوسف کا نام حضرت کے خلفاء کی فہرست میں شامل ہے)

---

[1] یہ اینٹ کی داستان ایک اور انداز میں بھی نقل کی گئی ہے۔

Marfat.com

ایک عارف نامی مرید کی معرفت سیوستان (سیستان) کے رئیس نے سّو دینار شیخ الاسلام کی خدمت میں نذر کے لیے بھیجے۔ اُنہوں نے پچاس پیش کیے۔ مسکرا کر فرمایا۔ برادرانہ تقسیم خوب کی۔ وہ شرمندہ ہوئے اور بعد معافی بقیہ پچاس بھی دے دیئے۔ ان کو اپنی صحبت میں رکھا اور کامل بنا کر بیعت کرنے کی اجازت مرحمت کی۔ (یہ بھی منجملہ نامور خلفاء ہیں)

ایک شخص مرید ہونے کے لیے اجودھن کو چلا۔ ایک فاحشہ گاڑی میں اس کی ہمسفر تھی۔ اثنائے سفر میں اس نے اس شخص کو ورغلانا شروع کیا۔ وہ اس سے مُلاطفت کرنا ہی چاہتا تھا کہ غیب سے طمانچہ لگا۔ اور وہ ہوش میں آگیا۔ جب خدمت اقدس میں حاضر ہُوا تو فرمایا اُس روز حق تعالیٰ نے تمہیں گناہ سے بچا لیا۔ پھر اس کو بیعت سے مشرف کیا۔

حضرت کے ہمخرقہ بدر الدین غزنوی رح اُمراء سے میل جول رکھتے تھے۔ نظام الدین خریطہ دار نے ان کے لیے خانقاہ بنا دی تھی۔ جب خریطہ دار پر زوال آیا تو یہ بھی مصیبت میں پھنس گئے۔ اب حضرت سے توجہ کی درخواست کی۔ کہلا بھیجا جو اپنے بزرگوں کے طریقہ پر نہیں چلتا اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

سلطان جی راوی ہیں کہ شمس دبیر نیک آدمی تھا۔ اوائل حال میں مُفلس تھا۔ ایک روز حضرت سے اپنی تنگی کا حال بیان کیا

Marfat.com

فرمایا۔ جاؤ شکرانہ لاؤ۔ جب وہ کسی سے شکرانہ کی فرمائش کرتے تو سمجھ لیا جاتا کہ اس کی مراد پوری ہو گئی۔ چنانچہ شمس سلطان بلبن کے صاحبزادے بُغرئ خاں کا دبیر مقرر ہو گیا۔ اور دن پھر گئے۔ مگر دنیوی اقبال حاصل ہو جانے کے بعد اس نے حضرت کی اولاد کی خدمت نہیں کی (بروایت فوائدالفواد) شمس دبیر حضرت امیر خسرو رح کے عزیزوں میں سے تھے۔

مریدوں کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ اہل دنیا سے پرہیز ضروری ہے۔ شہرت و عزت کے طالب نہ ہو۔ گفتگو مختصر کرنا چاہیئے اور بے ضرورت کسی کے پاس نہ جاؤ۔

جس طرح بعد کے زمانہ میں مرزا غالب نے مومن خاں کا ایک شعر سن کر کہا تھا کہ اس کے معاوضہ میں پورا دیوان دے سکتا ہوں۔ اسی طرح پہلے زمانہ میں حضرت بہاءالدین زکریا رح نے جمال ہانسوی رح کے متعلق لکھا تھا کہ جمال کو مجھے دے دیجئے اور میرے سب مرید لے لیجئے۔ حضرت نے برجستہ جواب دیا معاوضہ مال میں ہوتا ہے۔ جمال میں نہیں ہو سکتا۔ اور جمال کسی کو دیا بھی نہیں جاتا۔ (یہ منجملہ مطائبہ ہے اور کس قدر لطیف و بلیغ ہے)

حضرت زکریا رح نے ایک مرتبہ جوش اشتیاق میں لکھا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں عشق بازی ہے۔ تو جواب میں تحریر فرمایا

Marfat.com

درمیان ما و شما عشق است بازی نیست ا یہ جواب سنجیدہ ظرافت کا بہترین نمونہ ہے)

کسی نے حضرت کی نذر ایک قینچی کی ۔ فرمایا اس کے بجائے مجھے سوئی دو ۔ میں جوڑتا ہوں کاٹتا نہیں کرتا (برجستگی قابل غور ہے)

کسی نے درخواست کی کہ سلطان بلبن سے سفارش کر دیجئے چنانچہ لکھا کہ اگر اس شخص کی کاربراری کر دو گے تو وہ درحقیقت خدا کی طرف سے ہوگی ۔ اور تم شکریہ کے مستحق ہو گے اور اگر کام نہیں کیا تو رکاوٹ منجانب اللہ ہو گی اور تم معذور ہو گے ۔ (خوبصورتی کے ساتھ قوت ایمانی کی حقیقت کا اظہار اس سے زیادہ ممکن نہیں)

حضرت بدرالدین اسحٰق ناقل ہیں کہ میں محرم راز خادم تھا حضرت والا جو خلوت میں کہتے وہی جلوت میں فرماتے ۔ ان کے ظاہر و باطن دونوں ایک تھے اور یہ وصف بے مثال ہے ۔

میر خورد مؤلف سیر الاولیا ، حضرت شیخ نظام الدین اولیا بدایونی کی زبانی روایت لکھتے ہیں کہ بابا صاحب جب تک شہر دہلی میں رہے ۔ بدر الدین غزنوی کے وعظ میں جایا کرتے تھے ایک روز انہوں نے بابا صاحب کے اوصاف بیان کئے ۔ اس وقت بابا صاحب کے کپڑے پھٹے پرانے تھے ۔ ایک شخص نے فوراً عمدہ لباس پیش کیا ، اس کو پہن کر منتجب الدین کو دے دیا ۔ کہ

Marfat.com

لذت پرانے کپڑے ہی میں ملتی ہے

جب بابا صاحب کی ملاقات شیخ جلال تبریزی سے ہوئی تو شیخ الاسلام کا جامہ دریدہ تھا۔ ہوا کے چلنے سے بے پردگی ہوتی تھی۔ لہذا دامن سے چھپا لیتے تھے تو جلال تبریزی نے تسلی کے لیے یہ قصہ بیان کیا کہ بخارا میں جب ایک درویش پڑھتا تھا تو سات برس تک اس کے پاس پاجامہ نہ تھا وہ پیراہن ہی سے پردہ پوشی کرتا تھا۔

شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی فرماتے ہیں کہ مجھے اور مولانا بدرالدین اسحاق کو ایک بات میں شبہ ہوا۔ ہم دونوں نے شیخ الاسلام سے رجوع کیا کہ کتاب شرعہ میں "زرک" لفظ ہے یا "ترک"۔

شیخ الاسلام نے فرمایا "زرک" ہے اور مثال دے کر فرمایا "واستتر سترک من زرک" نگاہ رکھ اپنے بھید کو اپنے بیان سے یعنی بھید کی حفاظت کرو۔

خواجہ احمد شیبانی بابا صاحب کے مرید تھے۔ ان کے وضو اور غسل کا انتظام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کمر کے درد کی وجہ سے مشک میں پانی نہ لا سکے۔ حضرت نے پاس بلا کر کمر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا جا پانی لا۔ اس وقت شیبانی کا عالم جوانی تھا۔ سو برس کی عمر ہو گئی مگر پھر کبھی درد نہ ہوا۔ اور خدمت ادا کرتے رہے۔ میر خورد کا بیان ہے کہ سو برس کی عمر کے باوجود قد بدستور سیدھا رہا۔

Marfat.com

۱۲

شاعری

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت بابا صاحب رح شاعر تھے اور شعر کہا کرتے تھے۔ کسی صوفی کے شاعر ہونے پر نہ حیرت ہو سکتی ہے نہ انگلی اٹھائی جا سکتی ہے۔ جذبات کی بلندی و فراوانی صوفی کو اکثر مجبور کرتی ہے کہ اپنے خیالات و کیفیات کا اظہار نظم میں کرے۔ جن صوفیوں نے شاعری کو نوازا ہے، وہ مشہور روزگار ہیں اور دنیائے شاعری اُن پر فخر کرتی ہے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ جب تک تصوّف کے مضامین داخل نہ ہوئے شاعری میں بلندی و وسعت پیدا نہیں ہوئی۔ علامہ شبلی نے سچ کہا[1]

---

[1] شعر العجم حصہ پنجم۔

Marfat.com

ہے کہ تصوّف کا اصلی مایۂ خمیر عشقِ حقیقی ہے جو سرتاپا جذبہ و جوش ہے۔ عشقِ حقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس آگ نے تمام سینے و دل گرما دیئے۔ اب زبان سے جو کچھ نکلتا تھا گرمی سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ اربابِ دل ایک طرف اہلِ ہوس کی باتوں میں بھی تاثیر ہوگئی۔ یہ صحیح ہے کہ ہر شاعر صوفی نہیں ہوتا لیکن ہر صوفی شاعر ہُوا کرتا ہے خواہ وہ اشعار کہے یا نہ کہے اب تحقیق طلب یہ ہے کہ حضرت باباصاحب رح شاعری کرتے تھے یا نہیں؟ اس میں شک نہیں کہ جذبات و کیفیات رکھتے تھے۔ سخن فہمی میں کمال تھا لیکن سوال یہ ہے کہ انہوں نے خود مشقِ سخن کی یا نہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ حضرت کی حیات میں اور وصال کے بہت عرصہ بعد تک کسی حاضر باش۔ معتقد خلیفہ یا ہمعصر نے اس قسم کا بھولے سے بھی تذکرہ نہیں کیا۔ میر خورد کے ایک فقرے کے غلط معنی لے کر جو سیرالاولیا رہ میں درج ہے

ل؎ فوائدالفوائد کے بعد سیرالاولیاء دوسرے درجہ پر مستند ہے مگر ضعف سے پاک نہیں ہے۔ میر خورد نے جملہ حالات اپنے والد سے سن کر لکھے ہیں۔ میر خورد اُس وقت خود خورد سال تھے۔ اور بچپن ہی میں ان کو مرید کر لیا گیا تھا۔ جوانی میں وہ قطعی دنیا دار تھے۔ بعد کو جب ہدایت غیبی ہوئی تو درویشی کے راستہ پر آئے اور (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

البتہ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ شاعر تھے۔ اور وہ فقرہ یہ ہے۔ "بزبان شیخ الشیوخ عالم فرید الحق فریدالدین گذشتہ است" مگر اس سے تو یہی مطلب نکلتا ہے کہ وہ اشعار ذوق و شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ اور شاعر ہونے کا مفہوم مُطلق ترشح نہیں ہوتا۔

یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کے اوّلین خواجگان چشت نے شعر کہنے کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ حضرت خواجہ بزرگ اجمیری رح کے نام نامی سے ایک دیوان بازار میں ملتا ہے۔ مگر وہ دیوان مولانا معین الدین فراہی کا ہے۔ جو اپنے زمانہ کے مشہور واعظ تھے۔ اسی طرح حضرت خواجہ بختیار کاکی رح سے بھی ایک دیوان فرضی طور پر منسوب ہے جو اُن کی شایانِ شان نہیں۔ اور تو اور حضرت مخدوم صابر صاحب جیسے مجذوب بزرگ بھی شاعر بنا دیئے گئے ہیں۔ حضرت سلطان المشائخ کا صاف و صریح اعلان ہے کہ نہ میں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ملفوظات جمع کئے۔ لیکن کہیں کہیں سنی سنائی ضعیف روایتیں بھی لکھ دی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت چراغ دہلوی رح کے خلیفہ حضرت گیسو دراز رح اپنی کتاب جوامع الکلم میں لکھتے ہیں کہ ملفوظ شیخ نظام الدین کہ امیر حسن شاعر جمع کردہ است آں معتبر است و ملفوظہائے دیگر کہ ازاں شیخ نبشتہ اند ہمہ باد ہوا است

کوئی کتاب لکھی اور نہ میرے پیرانِ سلسلہ نے۔" یہ مفہوم نظم و نثر دونوں تصانیف پر منطبق ہوتا ہے۔ البتہ ان حضرات کے ذوق سماع کی وجہ سے ان کی سخن سنجی اور سخن فہمی میں شبہ نہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ شاعر بھی تھے۔ مشہور ہے کہ جن اشعار پر حضرت سلطان المشائخ کو وجد آتا تھا وہ دلی کے کوچہ و برزن میں زبان زد ہو جاتے تھے۔ اور ہندوستان بھر میں پھیل جاتے تھے۔ سلطان علاؤالدین خلجی[۱] نے تو حکم دے رکھا تھا کہ ایسے شعر اس کے گوش گزار ضرور کیے جایا کریں۔ سلطان المشائخ کی فضیلت علمی سے انکار ممکن نہیں۔ مگر باوجود قدرت رکھنے کے انہوں نے خود شعر نہیں کہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی ہدایتوں اور اصلاحوں کی بدولت امیر حسن علاء سجزی بداؤنی اور امیر خسرو اعلیٰ درجہ کے شاعروں کی صف میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب قابل غور یہ ہے کہ جو فضیلت مآب ہستی دوسروں

---

[۱] جلال الدین خلجی کے عہد میں سلطان المشائخ کا لنگر خانہ جاری نہیں ہوا تھا اور عسرت سے گزر ہوتی تھی۔

[۲] اس لفظ کو س ج زی اور س ن ج ری دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کی وطنیت کے یہ دونوں تلفظ صحیح ہیں۔ ملاحظہ ہو سوانح خواجہ معین الدین چشتی رح صفحہ ۷۹

کو جلیل القدر شاعر بنا سکتی تھی۔ اس نے خود اپنے عالی جذبات کو نظم کیوں نہیں کیا۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ ان کے ہندوستانی مشائخ نے احتیاط برتی تھی۔ اس لیے اُنہوں نے بھی شعر کہنے سے گریز کیا۔ اس کے علاوہ شاعری اُن کے دینی فرائض ادا کرنے میں معاون نہ تھی۔ اور وہ جذباتیت سے زیادہ عمل و کردار کے قائل تھے۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سلطان المشائخ شیخ کبیر کو برابر یاد کیا کرتے تھے۔ ان کے ہر قول و فعل کا اپنی مجلس میں ذوق و شوق سے برابر تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ اُنہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ شیخ کبیر کو کس وقت کس شعر یا نعرے پر وجد آیا۔ لیکن نہیں ذکر کیا تو ان کے شاعر ہونے کے متعلق۔ اگر ایک شعر بھی فارسی، عربی پنجابی یا ریختہ کا حضرت شیخ کبیر کا طبع زاد ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اپنا سر نہ دُھنتے اور بار بار پڑھ کر نہ سُناتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بابا صاحب رح کے شاعر ہونے کی شہرت سب سے پہلے بابا نانک (۱۴۶۹ء - ۱۵۳۸ء) سے ہوئی۔ اور اُسی وقت سے وہ شاعر سمجھے جانے لگے۔ بعد میں گورو ارجن دیو نے (۱۵۶۳ء - ۱۶۰۶ء) کچھ شلوک بابا صاحبؒ کے نام سے گرو گرنتھ میں بھی شامل کر دیئے۔ بابا صاحب کا وصال ۶۶۱ھ / ۱۲۶۳ء میں ہوا لہذا دونوں کے زمانوں میں تقریبًا دو سو برس کا فصل ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ گرو نانک کو بابا صاحب رح کی صحبت بھی نہیں

Marfat.com

حاصل ہوئی۔ بابا نانک کے ہمعصر بابا صاحب کی اولاد میں بارہویں سجادہ نشین حضرت ابراہیم کبریارؒ الملقب بہ فریدؒ ثانی " تھے۔ ان سے ہی گرونانک کو فیض پہنچا۔ اس سے پتہ چلا کہ لقب کی وجہ سے یہ سارا مغالطہ وجود میں آیا۔ حضرت فرید ثانیؒ ہر لحاظ سے اپنے دادا کی ہوبہو تصویر تھے۔ اسی لیے اس لقب سے ملقب ہوئے اور وہ شاعر بھی تھے۔ رفتار زمانہ کے مطابق شاعری ہی ان کی تبلیغ کا ذریعہ بھی بنی۔
"پنجابی زبان دا ادب تے تاریخ" پنجابی زبان میں عبدالغفور صاحب قریشی نے مرتب کی ہے۔ اس کے صفحہ ۹۷ و ۹۸ پر مذکور ہے کہ حضرت فرید ثانی کی ملاقات بابا نانک سے ہوئی تھی۔ جس کا ذکر "پرسنگ جنم ساکھی" اور "گلزار فریدی" میں موجود ہے اور ان کے ہی سنائے ہوئے شلوک بابا صاحبؒ کے نام سے گرو ارجن دیو نے "گرنتھ صاحب" میں درج کیے ہیں۔ مگر ڈاکٹر لاجونتی راما کرشنا نے اپنی انگریزی کتاب SUFI PUNJABI POETS کے صفحہ ۲۰ پر صاف لکھا ہے کہ یہ شلوک جو گرنتھ میں شامل ہیں حضرت ابراہیم کبیر عرف فرید ثانی کے ہیں۔ حضرت ابراہیم کی زبان کو وہ لہندی ملتانی کی سی زبان بتاتے ہیں اور ان کے شلوک کو شیخ نورالدین نظامی کی "کویتا" کے طرز کا ثابت کرتے ہیں۔ "پنجابی ادب"

---

[1] یہ حضرت گدی نشین ۹۳۰ھ / ۱۵۲۳ء میں ہوئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر غالباً پینتالیس سال کی تھی۔

Marfat.com

مرتّبہ محمد سرور صاحب (ادارۂ مطبوعات پاکستان کراچی) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم فرید ثانی کی کچھ کافیاں بھی ہیں اور ایک نصیحت نامہ ہے جس کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ ان کے شلوکوں کی تعداد انہوں نے تقریباً ایک سو تیس لکھی ہے۔ اور جناب عبدالغفور صاحب قریشی نے حضرت فرید ثانی کا دیوان مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اب حضرت بابا صاحب رح کو شاعر ثابت کرنے کے لیے ان کا کلام ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کی "ہسٹری آف پنجابی لٹریچر"[۱] ۔ پروفیسر محمود شیرانی کی کتاب "پنجاب میں

۱؎ اورنیٹل کالج میگزین لاہور کی کئی اشاعتوں میں سنہ ۳۸ء میں ڈاکٹر صاحب نے شیخ ابراہیم۔ فرید ثانی اور گرونانک وغیرہ کے ماہ و سال کی مطابقت کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شلوک گرونانک کی پیدائش سنہ ۱۴۶۹ء کے پہلے کے ہیں اور تادیل کی ہے کہ ان شلوکوں میں جو سوال و جواب ہیں وہ فرضی و خیالی ہیں لکھتے ہیں کہ سیرالاولیاء وغیرہ میں بابا صاحب کو مختلف القاب۔ شیخ الاسلام شیخ کبیر اور بابا فرید سے یاد کیا گیا ہے۔ اور ان شلوکوں میں بھی یہی نام موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بابا صاحب کے جو ارشادات ہیں ان کے مضمون شلوکوں میں پائے جاتے ہیں۔ فرید ثانی کے ذریعہ یہ بابا صاحب کے شلوک گرونانک کو موصول ہوئے تھے۔ خیر یہ تو سب شاعرانہ تخئیل ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ کلام فرید ثانی کا ہے۔ سوال جواب فرضی نہیں ہیں بلکہ حقیقی ہیں۔ جو گرو اور فرید ثانی (باقی ۲طلا پر)

اردو" اور مسٹر مائلز ارونگ کی کتاب SHRINE OF BABA FARID اور پروفیسر خلیق نظامی صاحب کی کتاب LIFE AND TIMES OF BABA FARID میں درج کیا گیا ہے۔ "تھلکرے پھل" مؤلفہ باباۓ پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد لاہوری میں حضرت کے کلام پر طویل تبصرہ کیا گیا ہے لیکن ماخذ کے متعلق ان جملہ اہل قلم حضرات نے سکوت اختیار کیا ہے "شلوک فرید" چودہری افضل خاں صاحب نے شائع کیے ہیں جن میں ان کی تعداد تقریبًا ایک سو چھتیس ۱۳۶ ہے۔ ان میں درویشی کے مختلف مضامین۔ ذکر و فکر۔ صبر و رضا۔ قناعت و عبادت اور دنیا نے آخرت کے متعلق ہیں۔ ان شلوکوں میں بعض تلمیح طلب ہیں اور حضرت بابا صاحب رہ کے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً

شلوک نمبر ۹۲

فریدا تن سُکا پنجر تھیا تلیاں کھونڈہیں کاگ
اجے سو رب نہ بوہڑیو۔ دیکھ بندے دے بھاگ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۰) کے درمیان ہوئے۔ فرید ثانی کے معتقدات بابا صاحب سے جدا نہیں ہو سکتے۔ لہذا اس سے مطلب یہ نہیں لیا جا سکتا کہ شلوک بابا صاحب کے ہیں۔ جب بنیاد ہی غلط مفروضات پر رکھی گئی تو نتائج کا صحیح ہونا معلوم۔ بالفرض یہ شلوک بابا صاحب کے ہوتے تو خلفاء میں سے کوئی تو ان کا ذکر کرتا۔ اور خصوصًا سلطان المشائخ بدایونی ضرور اپنے ملفوظات میں تذکرہ کرتے۔ لہذا جملہ استدلال بے معنی ٹھہرتا ہے۔

Marfat.com

شلوک نمبر ۹۳

کاگا کرنگ ڈھنڈولیا۔ سگلا کھایو ماس
دو نیناں مت چھوئیو۔ پر دکھن کی آس

شلوک نمبر ۹۴

کاگا چونڈ نہ پنجرا بستے تو ڈر جا
جت تن میرا شوہ وسے ماس نہ تدوں کھا

شلوک نمبر ۹۵

کاگا سب تن کھائیو۔ چن چن کھائیو ماس
دو نیناں مت چھوئیو۔ پی دکھن کی آس

شلوک نمبر ۹۶

کاگا نین نکاس دول اور پی کے رخ لے جا
پہلے درس دکھا کے۔ پاچھے لیجیئے کھا

عام روایت کے مطابق یہ شلوک صلوٰۃ معکوس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ صلوٰۃ معکوس شب میں ادا کی جاتی تھی۔ لہذا رات کے وقت کاگا کا تصور صلوٰۃ معکوس پڑھنے والے سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ان اشعار کا حضرت بابا صاحب رح سے کوئی تعلق سمجھا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ محض ایک شاعر کے تصورات ہیں۔ اب شلوک نمبر ۷۰ سے عجیب راز کھلتا ہے۔

شلوک نمبر ۷۰

Marfat.com

فریدا بے نمازا کُتیا۔ راہ نہ بھلی ریت
کدیں نہ ہل آیوں۔ پنجے وقت مسیت

یہ طرز اظہار بابا صاحب رح کے علو تخیل کے خلاف ہے۔ مگر مضمون واضح ہے کہ شاعر نے بے نمازا کُتیا کہہ کر اپنے آپ کو مذکر ظاہر کیا ہے۔ ہندی شاعری میں اظہار عشق عورت کی زبان سے کیا جاتا ہے۔ بابا نانک اور گرو امرداس وغیرہ نے بھی اپنے آپ کو استری تصور کرکے عشق و محبت کا اظہار کیا ہے۔ اسی واسطے یہ صاحبان اپنے شلوکوں کو "محلہ" سے موسوم کرتے ہیں۔ اب اگر تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو مسلمان شاعروں نے بابا صاحبؒ کے زمانہ تک اپنی ہندوستانی شاعری میں خود کو عورت کے روپ میں پیش نہیں کیا۔ لہذا بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ یہ شعر حضرت بابا صاحب رح کا نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ حضرت بابا صاحبؒ کے زمانہ میں پنجابی زبان ابتدائی منزل میں تھی اور اس میں ایسی پختگی نہیں آئی تھی جیسی ان شلوکوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ پختگی و روانی دو ڈھائی سو برس کے بعد حاصل ہوئی ہوگی۔ اس لیے یہ حقیقت خود ملاحظہ طلب ہے۔ پھر ان دونوں بزرگوں کے کلام کا موازنہ و مقابلہ کرنے سے ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے۔ یعنی دیوان فرید ثانی اور شلوک فرید میں ایسا مشترک کلام بھی ہے جس میں نہ تفریق کی جا سکتی ہے اور نہ سرقہ کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ دونوں کے شلوک

Marfat.com

لفظ و معنی کے اعتبار سے بالکل ایک ہیں۔ زیر و زبر کا بھی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ حسب ذیل شلوک دونوں کے مجموعہ کلام میں موجود ہیں۔

۱

فریدا خاک نہ نندیئے۔ خاکوں جیہڈ نہ کوئے
جیوندیاں پیراں تلے۔ مویاں اوپر ہوئے

۲

فریدا جنگل جنگل کیا بھویں۔ ون کنڈا موڑیہہ
وسے رب ہیالیا۔ جنگل کیا ڈھونڈیہہ

۳

فریدا من بھلاوا جگ دا مت میل ہو جائے
پگھلا روح نہ جان۔ نہ اسر بھی مٹی کھائے

۴

فریدا چینٹ کھٹولا جانی دکھ برہ وچھاون لیف
اے ہمارا جیٹوناں تو صاحب سچے دیکھ

۵

برہا برہا آکھیئے۔ برہا تو سلطان
فریدا جت تن برہا نہ اُپجے سو تن جان مسان

۶

بڈھا ہویا شیخ فرید کنبن لگی دیہہ

Marfat.com

جھڑے مو ورھیاں جیوناں بھی تن ہوسی کیہہ

۷

فریدا بھٹی گوڑی سو دتوں ٹٹی ناگر لج
عزرائیل فرشتے کسے گھر تا گتی رج

۸

شیخ حیاتی جگ نہ کوئی تھر رہیا
جس آسن ہم بیٹھے کیتے بیکس گیا

۹

بولیے سچ دھرم۔ جھوٹ نہ بولیئے
جو گردر سے ذاکٹے فریدا جو لیے

مزید براں یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ دونوں کے مجموعہ کلام میں ۱۳۰ اور ۱۳۶ شلوک ہیں۔ معلوم نہیں مبصرین نے ان حقائق پر کیوں غور نہیں کیا۔ یہ جملہ شلوک یقیناً حضرت ابراہیم کبریا فرید ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت بابا صاحب رہ کی زبان اور طرز بیان کی بُو باس بھی ان میں نہیں پائی جاتی۔

ہمارے نامور ادیبوں میں حافظ محمود شیرانی اور بابائے اردو مولوی عبدالحق بڑے پایہ کے محقق گزرے ہیں۔ ان دونوں نے اپنی اپنی تصانیف میں حضرت بابا صاحب قدس سرہ العزیز کے شاعر ہونے کی تائید و توثیق کی ہے اور ان کا کلام بھی پیش کیا ہے۔ حافظ

Marfat.com

شیرانی مرحوم نے اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" کا افتتاح حضرت بابا صاحبؒ ہی کے ذکر سے کیا ہے۔ اور انہیں اُردو کا سب سے پہلا شاعر مانا ہے۔ "اردو کی نشوونما میں صوفیا کرام کا کام" مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کی تصنیف ہے۔ اس میں بھی اسی دعوے کی تائید کی گئی ہے۔ لیکن دونوں حضرات کے پاس نہ کوئی اصلی سند ہے اور نہ دونوں میں سے کسی نے اپنا مآخذ بتایا ہے۔ سب سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ خواجگانِ چشت کی تاریخ کے ماہر و محقق پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی نے بغیر درایت کے ان بے اصل روایات کی بناء پر بابا صاحبؒ کو شاعر لکھا ہے اور ان کا کلام بھی ثبوت میں پیش کیا ہے۔ میر خورد کے بتاتے ہوئے چند اشعار لکھے ہیں لیکن ایسے اشعار جو حضرت والا کی زبان مبارک پر رہتے ان کی فہرست ابھی اور بھی بڑھائی جا سکتی ہے اور وہ سب ملفوظات میں موجود ہیں۔ یہ کہنا کہ یہ اشعار ان کی تصنیف ہیں سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ مگر ایک ناتمام غزل جس کا حوالہ ان جملہ ادیبوں نے دیا ہے وہ ہے جس کا پہلا مصرع ہے:-

وقتِ سحر وقتِ مناجات ہے

یہ ناتمام غزل سید اشرف صاحب ندوی نے ڈسنہ لائبریری کے بوسیدہ اوراقِ قدیم سے نقل کر کے حافظ شیرانی مرحوم کو فراہم

Marfat.com

کی تھی۔ مگر کیا بوسیدہ اوراقِ قدیم کو قابلِ استناد سمجھا جا سکتا ہے جبکہ ماخذ کا پتہ نہ ہو۔ اسی طرح سبع سنابل میں بھی ایک شعر لکھا گیا ہے بہرحال نمونے کے طور پر ایسے اشعار میں سے کچھ پیش کیے جاتے ہیں

بقدر سنج یابی سروری را — بشب بیدار بودن مہتری را
رَو۔ دل یکسے دِہ کہ نمیرد تا تو — از درد فراق مگر پئی بارسے
از نور جلال مردِ مطلق خیزد — د از شوقِ خدا مگرچہ رونق خیزد
توگدائی۔ دور باش از بادشاہ — تا نیاید بہ درِ تو دور باش
گر وصال شاہ میداری طمع — از وصال خویشتن مہجور باش
روشینہ شبم دلِ حزینم بگرفت — د اندیشۂ یار نازنینم بگرفت[1]
گفتم بہ سرِ دیدہ روم بر درِ تو — اشکم بدوید د آستینم بگرفت
خورش دہ بہ گنجشک وکبک وحمام — کہ ناگہ ہمائے بر افتد بدام
گیرم کہ بشب نماز بسیار کنی — در روز دوائے شخص بیمار کنی
تا دل نہ کنی زغصہ وکین خالی — صد خرمنِ گل بر سریک خار کنی
تن کے دھونے سے دل جو ہوتا پاک — پیش رو اصفیاء کے ہوتے غوک
خاک لانے سے گر خدا پائیں — گاے بیلاں بھی واصلاں ہوتے
وقتِ سحر وقتِ مناجات ہے — خیز درآں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ گوید ترا — خسپ۔ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے

---

[1] بقول صاحب اخبار الاخیار یہ شیخ فرید ناگوری کا کلام ہے۔

Marfat.com

باتن تنہا چہ روی در زمیں — نیک عمل کن کہ وہی ساتھ ہے
پندِ شکر گنج بدل و جاں شنو — ضایع مکن عمر کہ ساعت ہے

پاک رکھ توں دل کو غیر سے سائیں فریدا دیکھتا ہے
قدیم قدیمی کے آؤنے سے لاز دل درست کون پاؤتا ہے

ٹوٹی لیندی باذری دیندی کھری نج
جو ہا کدھ نمازی ۔ پیچھے بندھے چھج[1]

شکر ہے کہ چند اشعار ہی شاعر بنانے کے لیے غنیمت سمجھے گئے[2]۔ ورنہ کوئی صاحب فارسی یا اردو کا پورا دیوان بھی منسوب کر دیتے تو کوئی کیا کر لیتا۔ لوگ اسے سر آنکھوں پر لیتے ۔ کیونکہ نسبت اور نام میں بڑی قوت و تاثیر ہے ۔ اب اگر شاعری کے نہیں بلکہ اردو زبان کے سب سے پہلے بانیوں میں حضرت کا اسم گرامی لیا جاتا تو زیادہ مناسب و موزوں ہوتا ۔ اور اس کے ثبوت میں چند وہ فقرے پیش کیے جاتے جو حضرت والا کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں اور جن پر سب کا اتفاق

---

[1] یہ شعر سبع سنابل میں شیخ عبدالواحد بلگرامی نے درج کیا ہے۔
[2] ان سے بہتر تو وہ شعر ہوتے جو حضرت جمال ہانسوی وغیرہ کے متعلق برمحل کہے گئے تھے ۔ مگر یہ روایتیں ہی جب غلط ہیں تو وہ اشعار بھی موزوں نہیں آتے ۔ اس قسم کے اشعار کا مصنف کوئی معتبر ہی کہا ہو سکتا ہے ۔

Marfat.com

ہے۔ حافظ محمود شیرانی اس بارے میں لکھتے ہیں:۔

"مولانا برہان الدین صوفی رح ابھی خورد سال ہی تھے۔ کہ ان کے والد شیخ جمال ہانسوی رح کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم کی بیوی[1] "مادر مومناں"[2] وصیت کے مطابق خواجہ برہان الدین صوفی کو لے کر حضرت گنج شکر رح کی خدمت میں حاضر ہوئیں شیخ نے خواجہ برہان الدین کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی خورد سالی کا لحاظ نہ کرکے اپنی بیعت میں لے لیا۔ "مادر مومناں" ہندی زبان میں بولیں "خوجا برہان الدین بالا ہے (کم عمر ہے) شیخ نے ہندی زبان میں جواب دیتے ہوئے کہا "پونوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے"۔ (یعنی ابتدائی چاند۔ ہلال چھوٹا ہوتا ہے)۔ (سیرالاولیا)

۲۔ ایک روز شیخ فریدالدین رح اپنے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کو وضو کرا رہے تھے۔ اتنے میں حضور کی نگاہ ان کے چہرے پر پڑی۔ دیکھا کہ آنکھ پر پٹی بندھی ہے۔ آپ

---

[1] بقول سیرالاولیا، خادمہ

[2] امہات المومنین ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے۔ وہ کسی دوسرے پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ اس کا ترجمہ فارسی یا کسی بھی زبان میں ہو۔

Marfat.com

نے دریافت کیا۔ بابا یہ پٹی کیوں باندھی ہے۔ بابا فریدؒ نے ہندی زبان میں جواب دیا "آنکھ آئی ہے"۔ شیخ نے جواب دیا۔ اگر آئی ہے ایں را چرا بستہ آید۔ (جواہر فریدی)

۳۔ جن ایام میں بابا فرید گنج شکرؒ "سرسے" میں حضرت خواجہ عبدالشکور کے مزار پر آتے جاتے تھے۔ ایک دن سرسے کے کچھ لوگ جنہیں یہ معلوم کرنے کا اشتیاق تھا کہ بابا مزار پر جا کر کیا کرتے ہیں۔ ان کے راستے میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو ناراض ہوئے، اور ہندی زبان میں فرمایا۔

سرسہ سرسہ کبھی سرسہ نرسہ (جواہر فریدی صہ ۲۴۵)

۴۔ علاوہ ازیں ایک فقرہ اور منقول ہے جو حضرت مخدوم صابرؒ سے خلافت عطا فرماتے وقت فرمایا تھا۔ صابر زندگانی بھوگا" خواہی کرد۔ یعنی خوش خواہی گذرانید (اخبار الاخیار وغیرہ)

منتخب التواریخ میں ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ:-

"مولانا داؤد نے فیروز شاہ کے عہد میں "چندائن" نامی مثنوی ہندی میں لکھی تھی۔ جو عہد اکبر تک مشہور و مقبول تھی"۔ مگر اب وہ ناپید ہے۔ اور یہ بھی پتہ نہ چل سکا

Marfat.com

کہ مولانا داؤد کون بزرگ تھے۔ مکتوباتِ قدوسیہ کے مکتوب نمبر ۴۳ میں صفحہ ۱۲۴ پر ہندوی چنداین کا ایک دوہرہ درج ہے۔ امتثال امر کے لیے لکھا جاتا ہے:۔

مویوں پیاس نانک لے پانی
پیوسوں رانڈ سہاگن نانو

بہرحال نثر کے اِن چند فقروں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت والا کا مذاق کس قدر بلند تھا اور شستگی کتنی تھی۔ اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ اردو کے معمار اول تھے۔ اور ساتویں صدی میں یہ زبان اپنے امتیازی خط و خال نمایاں کر چکی تھی۔ مگر بایں ہمہ مناسب و بہتر یہی تھا کہ حضرت مسعود شکر گنج رح کو شاعر بنانے کی کوشش نہ کی جاتی۔

Marfat.com

۱۳

ارشادات

۱۔ جس طرح ظاہر میں ایمان ہے اسی طرح باطن میں یقین ہے۔ ایمان میں دو چیزیں ہیں۔ عقائد و اعمال۔

۲۔ طاعت بغیر معرفت کے بیکار ہے اور معرفت طریقت سے حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ بندے کو اختیار سے کوئی واسطہ نہیں۔ بندے کا اختیار وہی ہے جو اللہ چاہے۔

۴۔ عبادت کی انتہا عقل ہے۔ بغیر علم کے عبادت فضول اور علم بغیر عقل کے دردسر ہے۔ عقل اشرف ہے اس لیے کہ اس سے معرفت الٰہی کا علم ہوتا ہے۔

۵۔ فقراء اہل عشق ہیں اور علماء اہلِ عقل۔ اسی لیے دونوں میں اختلاف

Marfat.com

ہے ۔ راہ سلوک میں درویش کا عشق عالم کی عقل پر غالب ہے

۶۔ ارادت میں صبر سے کام بنتا ہے۔ جب ارادت درست ہو جاتی ہے تو برکتوں کے دروازے کھلتے ہیں۔

۷۔ عقلمند وہ ہے جو اللہ پر توکل کرے اور کسی سے اُمید نہ رکھے۔

۸۔ زحمت خیریت کی دلیل ہے اس لیے کہ تکلیف سے گناہ دُھل جاتے ہیں۔

۹۔ انسان پر جب مصیبت پڑے تو اس کے اسباب پر غور کرے اور سبق لے۔ جو ہر وقت طاعت میں رہتا ہے اسے کوئی مصیبت نہیں ہوتی۔

۱۰۔ دل کو شیطان کا کھلونا نہ بننے دو۔

۱۱۔ اپنے ظاہر سے زیادہ باطن سے واقفیت رکھو۔

۱۲۔ جو بے نیت دے اور اللہ واسطے نہ دے وہ اسراف ہے

۱۳۔ وعظ و نصیحت بیکار ہے جب تک کہ خود نمونہ نہ بنا جائے۔

۱۴۔ کشف وکرامات حجاب ہیں۔ استقامت کا نام محبت ہے۔

۱۵۔ درویشی پردہ پوشی ہے۔ خود فروشی ہے اور قناعت ہے۔

۱۶۔ بہشت میں نہ نماز ہے نہ عشق۔

۱۷۔ ہر شخص کا کھانا نہ کھاؤ بلکہ ہر شخص کو کھلاؤ۔

۱۸۔ مستحقین کو کبھی ہرگز فراموش نہ کرو۔

۱۹۔ قیاس پر رائے قائم نہیں کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

۲۰۔ حالتِ جنگ میں صلح کا تصوّر فضول ہے۔
۲۱۔ دشمن سے بے خوف نہ رہو خواہ وہ شیریں سخن ہی کیوں نہ ہو
۲۲۔ جو تم سے ڈرتا ہے اس سے تم بھی ڈرو۔
۲۳۔ خدا سے علیحدہ ہو کر اپنی قوت پر اعتماد نہ کرو۔
۲۴۔ خواہشاتِ نفسانی کے وقت خود دار بنو۔
۲۵۔ اہل دولت کی صحبت میں اپنے دین کو نہ بھولو۔
۲۶۔ دشمن کو نیک مشورہ سے شکست دو اور دوست کو تواضع سے غلام بناؤ۔
۲۷۔ دشمن کی دشمنی اس سے مشورہ کرنے سے جاتی رہتی ہے۔
۲۸۔ اپنے عیوب پر نظر رکھو۔ دشمن کی عیب جوئی پر خفا نہ ہو۔
۲۹۔ آسودگی چاہتے ہو تو حسد سے بچو۔
۳۰۔ زندہ دل وہی ہے جس میں محبت و اشتیاق ہو۔
۳۱۔ تم جیسے ہو ویسا ہی ظاہر کرو۔ ورنہ تمہاری اصلیت لوگ ظاہر کر دیں گے۔
۳۲۔ جذبۂ حق حاصل کرنا دونوں جہاں کی عبادت سے بہتر ہے
۳۳۔ اگر بزرگی چاہتے ہو تو بندگان شاہی سے التفات نہ کرو
۳۴۔ تدبیر میں آفت ہے اور تسلیم میں سلامتی۔
۳۵۔ ذلیل وہ ہے جو کھانے پینے میں مشغول ہو۔
۳۶۔ جس طرح موت آدمی کی تلاش کرتی ہے۔ اسی طرح رزق بھی

Marfat.com

تلاش کرتا ہے۔

۳۷۔ کام کیے جاؤ تاکہ مرنے سے پہلے زندگی حاصل ہو۔ انسان کو جو ملتا ہے وہ مجاہدوں سے ملتا ہے۔

۳۸۔ ایسی کوشش کرو کہ مرکر زندہ کہلاؤ۔

۳۹۔ مہمان سے تکلف کی ضرورت نہیں۔ مغرور و سرکش سے تکبر کرو۔

۴۰۔ عاشق کے لیے حضور و غیب یکساں ہے۔

۴۱۔ رسوم و علوم کچھ نہیں۔ اخلاق اصل ہے۔ اسی سے نجات ملتی ہے۔

۴۲۔ جو اللہ کے کام میں ہوتا ہے۔ اللہ اس کے کام میں ہوتا ہے

۴۳۔ علم و ہنر حاصل کرنے میں نکتہ چینی و خواری کی پروا نہیں کرنا چاہیئے[1]

۴۴۔ نامرادی مردوں کی معراج ہے۔

۴۵۔ سُبک سار رہنا کمزوری کی علامت ہے۔

۴۶۔ صوفی وہ ہے جس سے ہر چیز صاف ہو جائے اور کوئی چیز اسے گندہ نہ کرے۔

۴۷۔ احمق کو زندہ نہ سمجھو۔

۴۸۔ وہ چیز فروخت نہ کرو۔ جو خریدی نہ جا سکتی ہو۔

---

[1] بقول صاحب اخبار الاخیار۔ یہ شیخ ناگوری کا ارشاد ہے۔

Marfat.com

۴۹۔ گناہ پر فخر نہیں کرنا چاہیئے۔
۵۰۔ آرائش کے پیچھے نہ پڑو۔
۵۱۔ سچ اس طرح کا نہ بولو کہ جھوٹ سمجھا جائے۔
۵۲۔ عاقل نما نادان سے دوری اختیار کرو۔
۵۳۔ اندرونی حالت کو بیرونی حالت سے اچھا رکھنا چاہیئے۔
۵۴۔ وقت کا کوئی بدل نہیں ہے۔
۵۵۔ نیکی کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈو۔
۵۶۔ مصیبت خدا کی طرف سے آئے تو پراساں نہ ہونا چاہیئے۔
۵۷۔ کچھ ہو تو کچھ نہیں۔ کچھ نہ ہو تو کچھ غم نہیں۔ لطف بے نیازی میں ہے۔
۵۸۔ درویش کو مرجانا بہتر ہے مگر لذت نفس کے لیے قرض نہ لے۔ کیونکہ قرض اور توکل میں مشرق و مغرب کا فرق ہے۔
۵۹۔ اپنے نیک و بد کو مخفی رکھو۔
۶۰۔ قیاسی بات منہ سے نہ نکال۔
۶۱۔ بلا و مصیبت کو اپنی بدکرداری کا نتیجہ سمجھو۔
۶۲۔ کسی عاجز اور نو بڑھے امیر سے قرض نہ لو۔
۶۳۔ قدیم خاندان کی حرمت کا لحاظ رکھو۔
۶۴۔ جہاں تک ہو سکے عورتوں کو بدزبانی سے روکو۔

Marfat.com

۶۵۔ حضور و مشاہدے کی نعمت قرآن سے حاصل ہوتی ہے۔ مدعائے تلاوت ہمکلامی کا شرف ہے۔ جسے ہم کلامی کا ذوق نہیں وہ مدعی کاذب ہے[۱]

---

[۱]۔ یہ صحیح ہے کہ قرآنی آیات میں فکر و تدبر ضروری ہے مگر ہمکلامی کے معنی یہ ہیں کہ آیت خود بولے اور قاری دقائق کو فکر و تدبر سے مستغنی کر دے۔ یعنی آیت خود متوجہ کرتی ہے اور اپنا مفہوم سمجھاتی ہے۔

Marfat.com

۱۴

وظائف

وظیفہ و دعا سے بندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ دل کو سکون ملتا ہے۔ قلب میں صفائی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالٰے کی قدرت محسوس ہوتی ہے۔ اُمیدِ قبولیت لمحہ بہ لمحہ یقین سے روشناس کر دیتی ہے۔ شرط قبولیت یہ ہے کہ تصدیقِ قلب اور خلوص خاطر کے ساتھ ورد کیا جائے۔ شانِ بے نیازی اگر کسی مصلحت سے قبولیت کو روک لے تو کام دعا سے نہیں بنتا بلکہ رضا سے نکلتا ہے۔ ملفوظات میں ہر وقت۔ ہر ماہ اور ہر سال کی دعائیں لکھی ہیں۔ نمونے کے طور پر یہاں چند پر اکتفا کی جاتی ہے۔

۱۔ محبوب الٰہی صاحب کا ارشاد ہے کہ خواب میں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ لَہٗ

Marfat.com

الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر ؛
ہر روز نو مرتبہ پڑھا کرو۔ بعد ازاں کتابوں سے معلوم ہوا
کہ سو مرتبہ پڑھنے سے بغیر اسباب کے آدمی خوش رہتا ہے

۲۔ حضرت سلطان المشائخ کا ارشاد ہے کہ خواب میں حکم ہوا
کہ عصر کی نماز کے بعد پانچ مرتبہ سورۃ النباء پڑھا کرو۔ تفسیروں
نے بتایا کہ جو ہر روز بعد عصر سورۃ النبا کا ورد کرتا ہے وہ
اسیرِ حق ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں جاگزین
ہو جاتی ہے۔

۳۔ جو شخص چاہے کہ اعمال قبول ہوں وہ یہ دعا پڑھے:۔
ربنا تقبل منّا انک انت السمیع العلیم

۴۔ برکت و رحمت اور روزی کی فراخی اور محتاجی سے بچنے
کے لیے ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء
تکون لنا عیداً لاولنا وآخرنا وایۃ منک
وارزقنا وانت خیر الرازقین پڑھنا چاہیئے۔

۵۔ دنیا و آخرت میں اہل ظلم سے بچنے کے لیے بکثرت
پڑھنا چاہیئے:۔
ربنا لا تجعلنا فتنۃ القوم الظالمین

۶۔ جس شخص کو کوئی مہم یا غم پیش آئے جو قابل اصلاح نہ ہو
تو صبح کی نماز کے بعد سو مرتبہ پڑھنا چاہیئے۔

Marfat.com

لاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم یا حیُّ
یا فردُ یا وترُ یا احدُ یا صمدُ فان لم
یصلح تدلنا علی الهدیٰ۔

ط۔ دنیا و آخرت کی تنگی سے نجات پانے اور دوزخ سے
بچنے کے لیے ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وّ
فی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار
پڑھنا چاہیے۔

Marfat.com

۱۵

سماع

رونا اور گانا کسے نہیں آتا۔ لیکن ہر قوم و ملک کا طریقہ جُدا جُدا ہے۔ صوفیوں میں سماع کے شائق اور غالباً موجد اہلِ چشت ہیں، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ گانے بجانے کے جتنے مفسد اثرات ہو سکتے ہیں، ان سے وہ پاک و صاف ہیں۔ اسی وجہ سے ان کا سماع وقیع اور باوقار بھی ہے۔

یہ بحث صوفیوں کی نہیں بلکہ علماء کی ہے کہ سماع مزامیر کے ساتھ جائز ہے یا نہیں۔ حضرت امام ابن حزم رہ اندلس کے مشہور و مستند عالمِ حدیث ہیں انہوں نے مزامیری سماع کی بھی اباحت ثابت کی ہے۔ اب جو لوگ قطعی منکر سماع ہیں ان کے متعلق امیر حسن علاءؒ نے لطیف بات کہی ہے۔ کہ جو

"ذوق ہی نہیں رکھتے وہ انکار نہ کریں تو کیا کریں"

ہندوستان میں سماع کے متعلق سب سے پہلے اعتراض عہد شمسی میں کیا گیا تھا۔ خواجہ قطب صاحبؒ اور قاضی حمید الدین ناگوری سہروردیؒ کی محافلِ سماع پر نکتہ چینی کی گئی تھی مگر یہ اعتراض بغض و عناد پر مبنی تھا اور فرضی تھا۔ بعد میں سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں محض سیاسی رقابت کی وجہ سے اس مسئلہ نے فتنہ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس کے متعلق سلطان نے محضر طلب کیا تھا۔ قاضی جلال الدین لوائجی نے مناظرہ میں حضرت سلطان المشائخ کے ساتھ گستاخیاں کیں۔ مگر باوجود عداوت رکھنے کے سلطان نے فیصلہ سماع کے موافق ہی کیا۔ حضرت سلطان المشائخ نے اس کے متعلق یوں لکھا ہے کہ:۔

"دانشمندانِ دہلی بہ عداوت و حسدِ من پُر بُودند میدان فراخ یافتند و سخنہائے پُر از عداوت بسیار گفتند...... عجیبے امروز معائنہ شد کہ در معرضِ حجت احادیث صحیح حضرت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نمی شنوند و ہمیں می گویند کہ در شہر ما عمل بروایت فقہ مقدم است بر حدیث"

یہ مکابرہ حسد سے کیا گیا ہو یا بادشاہ کی خوشنودی کے

Marfat.com

لیے مگر پتہ نہیں کہ بحث عام سماع کے متعلق تھا یا محض سماع چشتیہ کے متعلق۔ مگر خلاصۂ بحث یہ ہے کہ مولویوں نے ان حدیثوں کو جو پیش کی گئی تھیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ صوفیوں اور خصوصاً چشتیوں نے سماع کی جو شرطیں اور احتیاطیں مقرر کی ہیں وہ صاف صاف ملفوظات میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پہ ایک شرط یہ ہے کہ محفل سماع میں اغیار شریک نہ ہوں حتیٰ کہ مُبتدی مریدوں تک کو اجازت شرکت نہیں ہے۔ صرف خواص ہی شامل ہو سکتے ہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نے واضح و مشرح ہدایات درج کی ہیں۔ لیکن یہاں اس وقت محض حضرت مسعود گنج شکرؒ کے سماع کا طور طریق بیان کرنا مقصود ہے تاکہ معترضین اس کو صاف طور پہ سمجھ سکیں۔

راوی حضرت سلطان المشائخ ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام سماع سننا چاہتے تھے۔ کوئی قوال موجود نہیں تھا۔ بدرالدین اسحٰق علیہ الرحمۃ والرضوان کو حکم دیا کہ تھیلی میں سے قاضی حمیدالدین ناگوری سہروردیؒ کا خط نکالیں۔ جب وہ خط اُنہوں نے پیش کیا تو فرمایا کھڑے ہو کر سناؤ۔ اُنہوں نے سنانا شروع کیا کہ "فقیر حقیر ضعیف و نحیف کہ بندۂ درویشاں است و از سر و دیدہ خاکِ قدم ایشاں ...." یہ سُنتے ہی شیخ الاسلام پر کیفیت طاری ہو گئی۔ جب اس مکتوب کی یہ رباعی پڑھی گئی۔

Marfat.com

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد
وآں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی زجمال
آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

تو وجد کی انتہا نہ رہی۔ کیفیت دور ہونے کے بعد جب سنبھلے تو فرمایا کہ اسی طرح ایک مرتبہ بدرالدین غزنوی نے بھی ایک نظم لکھ کر بھیجی تھی جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

دریں جا خاطرم گر جمع بودے
بمدحش کردمے گوہر فشانی
زہد دین و ملت یار بہتر
کہ بادش ور کرامت زندگانی

بس یہ تفصیل ہے اُن کے سماع اور وجد کی۔ اگر دل میں ذوق ہو تو یہ اشعار آج بھی پڑھنے والے کو وجد میں لانے کے لیے کافی ہیں۔ یہی حقیقت تھی جس کی وجہ سے حضرت بابا صاحبؒ نے کسی سے اعتراض سُن کر وثوق کے ساتھ جواب دیا تھا۔ "سبحان اللہ یکے سوخت و دیگرے ہنوز در اختلاف است۔" ممکن ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ قوال زور شور سے قوالی سناتا ہوگا۔ جیسا کہ آج کل کے پیشہ ور قوال اور مراثیوں کا دستور ہے۔ مگر ان حضرات کے یہاں جو قوال ہوتے تھے

Marfat.com

وہ خوش الحان عالم و فاضل حاشیہ نشین اور محبوب معتقدین ہی ہوا کرتے تھے۔ اور اگر کوئی پیشہ ور قوال بھی ہوا تو اس کی اتنی جرأت نہیں تھی کہ ان کے دستور سے ذرا بھی تجاوز کرتا۔ اس اظہار کے بعد سماع چشتیہ پر کسی نوعیت سے برائے نام بھی لہو و لعب کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شغل سماع میں چونکہ غیروں کو داخلہ کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے یار لوگوں نے بربنائے قیاسات لغو بیانی سے کام لیا۔ چشتیوں کے یہاں کسی عبارت یا اشعار کے سننے کا ہو بہو وہی طرز و انداز ہوتا تھا جیسے آج کل کے مشاعروں میں شاعر اپنا کلام سناتے ہیں۔ اور نعت خوان میلاد شریف پڑھتے ہیں یا حفاظ کلام پاک کی تلاوت فرماتے ہیں: حضرت سلطان المشائخ کا ارشاد ہے کہ سماع ایک موزوں آواز ہے۔ اس کو حرام نہیں کہہ سکتے۔ اور خصوصاً اس وقت جبکہ یاد حق کے لیے ہو۔ اب اگر علم لاینفع کی تقویت پر آمین بالجہر وغیرہ سے مباحثوں کی طرح سماع چشتیہ پر بھی کوئی بحث کرے تو کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا۔

ناواقف اور بے ذوق یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ وجد کے بعد نماز اور نماز کے بعد پھر وجد یہ کیسے ممکن ہے۔ اس طرح نماز اور وجد دونوں میں فساد کا اندیشہ ہے۔ معمہ بنا لینا تو اور بات ہے لیکن یہ سیدھی سادھی معمولی بات ہے۔ مثلاً ایک

Marfat.com

شاعر، ایک خطیب، ایک ایڈیٹر، ایک دستکار کو اپنی مصروفیت کے عالم میں کسی ضرورت سے اپنا مشغلہ ترک کرنا پڑے اور اس ضرورت و سبب کے ختم ہو جانے کے بعد پھر کام کا سلسلہ شروع کیا جائے تو اس رخنہ کی وجہ سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ اور مشغلے و رخنے آپس میں متناقض نہیں ہوتے۔ ممکن ہے کہ ان صاحبان کے تحتِ شعور میں مشغلہ کا خیال بھی رہے یا رخنہ کا خیال در انداز ہو۔ گر صوفی کا صاف قلب ان خطرات سے خالص و پاک رہا کرتا ہے۔ نہ نماز میں وجد کا تصوّر آتا ہے اور نہ وجد میں نماز کا تخیل پیدا ہوتا ہے اور خصوصًا اس وقت جبکہ نماز اور وجد بندگی کی دو مختلف صورتیں ہوں۔ چنانچہ نہ سجدے میں رکوع کا خیال آتا ہے اور نہ فرض پڑھتے وقت سنتوں کی یاد رہتی ہے یا پھر نماز کے اندر قرأت قرآن میں سہو ہو جانے پر لقمہ دئے جانے سے بھی کسی قسم کا حرج واقع نہیں ہوتا۔ بہرحال اس قسم کے سماع کا مدعا آتشِ عشق کو تیز کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں حد سے بڑھی ہوئی کیفیتِ عشق متقاضی ہے کہ اسے چھیڑا جائے۔ بھڑاس نکالی جائے اور یہ کام سماع سے پورا ہوتا ہے اس سماع کو راگ رنگ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ خوش الحانی سے قرأت قرآن عینِ کمال ہے۔ لہٰذا عبارت یا اشعار کی قرأت کو گناہ یا مکروہ خیال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس سے

Marfat.com

مراد وقتی ہیجان پیدا کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ٹھوس عمل کی تمہید ہے۔ اشعار کے ظاہری معنوں کو باطنی معنوں پر بھی محمول کرنے کا دستور ہے۔ چنانچہ سیرالاولیاء میں ہے کہ از زُلف قُرب خواہد۔ بقولہٖ تعالیٰ لیقربونا الی اللہ زُلفیٰ۔ و از لون جنت و از چشم نظرِ رحمت و تصنع عملِ عینی و کفر پوشیدن باشد...... تا ہستی و اعمالِ صدق بر تو پوشیدہ نشود دعویٰ عشق از درست بیاید۔ ص۴۹۲۔ اس قسم کے "اعتبار و اشارہ" کی مثالیں یہ ہیں:۔

۱۔ ایک ککڑی بیچنے والا کوچہ و بازار میں صدا لگا رہا تھا۔ "عشرۃ خیار بدانق" یعنی دس ککڑیاں ایک پیسہ میں۔ خیار کے معنی نیک لوگوں کے بھی ہیں۔ اس صدا کو سن کر حضرت شبلیؒ نے چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے۔ اُنہیں خیال گزرا کہ جب دس نیک لوگوں کی قیمت ایک پیسہ ہے تو بُروں کو کون پُوچھے گا۔

۲۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال اس شعر پر ہوا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

۳۔ شیخ کبیرؒ حجرے میں ٹہل ٹہل کر اور کبھی کبھی سربسجود

ہو کر یہ اشعار پڑھتے۔ ؎

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم
خاکے بشوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ من بندہ زکونین توئی
از بہرِ تو میرم و زبرائے تو زیم

۷۔ حضرت سلطان المشائخؒ اس شعر سے بہت متاثر ہوتے

رُخ جملہ را نمود و مرا گفت تو مبیں
زیں ذوق مست بے خبرم کیں سخن چہ بود

اگر غور و تدبر کیا جائے تو یہ اشعار قرآن پاک کے مضامین و مطالب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اب بھی اگر سماع پر اعتراض کیا جائے۔ قیل و قال سے کام لیا جائے اور اتہام لگایا جائے تو سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے

گفتی کہ نزد من حرام است سماع
گر بر تو حرام است حرامت بادا

Marfat.com

۱۶

خلفاء

حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ کے بے شمار خلفاء تھے اور سُنا ہے کہ ان کا رجسٹر حضرت جمال ہانسوی کے پاس تھا مگر شاید وہ غائب ہو گیا ہے۔ اب اگر ملفوظات اور تذکروں سے خلفاء کی فہرست تیار کی جائے تو اس کو مکمل نہیں خیال کیا جا سکتا۔ ایسی طیار شدہ فہرست مختصر ہی ہو سکتی ہے۔ ان میں سے بعض خلفاء اعظم بھی ہیں۔

خواجگان چشت کا دستور رہا ہے کہ وہ اپنے ہر ایک خلیفہ کو دوسرے خانوادوں کے کامل بزرگوں کی خدمت میں بھیجتے تھے اور مسند خلافت کی ان سے بھی تصدیق کرواتے تھے۔ ورنہ اپنے ہی خلفاء سے تصدیق کرانا تو کوئی اہمیت کی بات

Marfat.com

نہیں ۔ ان سندوں کا اکثر پتہ نہیں چلتا ۔ مگر ہر خلیفہ کے یہاں زیادہ تر خرقے محفوظ ہیں جن کی عرس کے مواقع پر زیارت بھی کرائی جاتی ہے ۔ خلفاء کی فہرست مرتب کرنے کے ساتھ خلفاء اعظم کے حالات دکوائف اس لیے درج کیئے جاتے ہیں کہ ہر ایک کو مرشد نے روحانی تعلیم کس طرح دی اور اس تعلیم میں ہر خلیفہ کی طبیعت اور مزاج کا خیال رکھنا ضروری تھا ۔ مثلاً راہ سلوک کے نمبروار جملہ مدارج حضرت جمالؒ سے طے کروائے گئے ۔ مخدوم علاؤالدین علی احمد صابرؒ کی تعلیم میں درجہ سلوک کا پتہ نہیں چلتا اور حضرت سلطان المشائخ کے حالات میں مجذوبیت نہیں پائی جاتی ۔ اس کے علاوہ یہ بھی دکھانا ہے کہ ہر خلیفہ نے تعلیم کی تکمیل کے بعد تعمیل کس طرح کی اور کس درجہ اپنے سلسلہ کو فروغ دیا ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو ۔

۱۔ حضرت خواجہ قطب شیخ جمال الدین ہانسویؒ

ولادت ۵۸۳ھ[1]

---

[1] ۔ سراج النسب حضرت کے خاندان کا تذکرہ ہے جو اہل خاندان نے مرتب کیا ہے ۔ اس میں یہی تاریخ ولادت لکھی ہے اور یہی صحیح ہے ۔ دیگر تذکروں میں تاریخ ولادت ۵۸۰ھ غلط ہے

ش

Marfat.com

خلافت بمقام ہانسی — ۶۳۴ھ
چھٹی حاضری کے بعد اجودہن سے رخصت — ۶۴۵ھ
وصال — ۶۵۹ھ

حضرت جمال ہانسوی رح حضرت امام ابوحنیفہ رض کی اولاد سے ہیں غزنی میں پیدا ہوئے۔ سلطان شہاب الدین غوری نے جب ۵۸۶ھ میں ہانسی پر حملہ کیا ہے تو اس کی فوج میں ان کے والد جناب حمیدالدین اور اُن کے حقیقی ماموں سید نعمت اللہ ولی[1] لشکر کے سرداروں میں تھے۔ سید صاحب شہید ہوئے اور بعدِ فتح حمیدالدین صاحب کو ہانسی کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اسی وجہ سے اُنہوں نے یہاں کی سکونت اختیار کی اور اُس وقت حضرت جمال رح کی عمر شریف پانچ سال کی تھی یہاں انہوں نے ظاہری علوم کی تکمیل کی۔ ابتدا میں خطیب ہوئے پھر قاضی بنے اور آخر میں قطب مشہور ہوئے۔ دیوانِ فارسی ملہمات[2] (عربی) پندنامہ فارسی اور عالم صغیر (فارسی) آپ کی تصنیفات سے ہیں اور آپ کے علم و فضل کی گواہ ہیں۔ ان کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ زوجہ اولیٰ خاندانی تھیں جن سے ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادے تولد ہوئے۔ ان صاحبزادے کا نام شاہ حامد عرف

---

[1] یہ وہ نہیں جو عہدِ تیموریں تھے۔ اور جن کی پیش گوئیاں مشہور ہیں۔

Marfat.com

کمال الدین تھا اور بروایت سلطان المشائخ یہ مجذوب تھے۔ زوجہ ثانی حضرت بوعلی شاہ قلندر رح کی ہمشیرہ تھیں۔ ان کی یادگار صوفی برہان الدین رح ہیں۔ ان کی پیدائش اسی سال ہوئی تھی جس سال حضرت جمال رح کا وصال ہوا تھا۔

حضرت جمال رح کو جب حضرت بابا صاحب رح کی خدمت و صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت ان کی عمر شریف انتالیس[1] سال کی تھی۔ انہوں نے خطابت۔ عہدۂ قضا اور دنیا کو ترک کر دیا تھا۔ اس طرح بارہ برس روحانی تعلیم میں گذارے۔ اس تعلیم کے سلسلہ میں کچھ عرصہ وہ حالت جذب میں محو و مستغرق رہے۔ جب سجادگی حاصل کر کے حضرت بابا صاحب رح دہلی سے واپس آئے اور ہانسی کو ترک کر کے اجودہن جانے لگے تو اس درمیان میں حضرت جمال رح اور ان کے قریبی عزیز حضرت منتخب الدین رح کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا[1]۔ گویا یہ دونوں صاحب سلوک کے آخری مدارج طے کر چکے تھے۔ حضرت جمال نے اجودہن میں سات حاضریاں دیں۔ چھٹی حاضری کے بعد وہ مستقلاً ہانسی آ گئے تھے۔ مگر بعض وجوہات کی بنا پر ساتویں مرتبہ پھر اجودہن تشریف لے گئے تھے۔ ان کا وصال مرشد کی حیات میں ہوا تھا۔ عطیۂ خلافت کے ساتھ

---

[1] وقت خلافت ان کی عمر تقریباً پچاس برس کی تھی۔

Marfat.com

خرقہ۔ عصا۔ چوبی نعلین اور عوارف المعارف کا نسخہ[له] اُن کو مرحمت کیے گئے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ عالم و فاضل اور خلیفہ اول ہونے کی وجہ سے حضرت جمال رح مرشد کو عزیز و محبوب تھے۔ ان کے متعلق کبھی یہ ارشاد کیا ہے کہ جمال جمالِ ماست۔ کبھی یوں مخاطب کیا کہ جمال میخواہم کہ گردِ سرِ تو بگردم۔ اور کبھی فرمایا کہ از خود رنجم لیکن از جمال نرنجم۔ کہا جاتا ہے خلفاء کا رجسٹر آپ کو سپرد کیا گیا تھا اور ہر نیا خلیفہ نام لکھوانے کے لیے ان کی خدمت میں بھیجا جاتا تھا۔ مشہور تو یہاں تک ہے کہ نئے خلفاء کی سند چاک کر دینے تک کا اختیار دیا گیا تھا اور ان کو منظور و مسترد کرنے کا حق تھا اور یہ بھی شہرت ہے کہ جب کوئی خلیفہ شکایت کرتا

[له] معلوم نہیں عوارف المعارف کا یہ نسخہ وہ تھا جو حضرت شہاب الدین سہروردی رح نے بغداد سے بھیجا تھا یا کوئی اور تھا۔ یہ بھی نہیں معلوم جس نسخہ سے حضرت سلطان المشائخ کو اسباق پڑھائے گئے تھے وہ کونسا نسخہ تھا اور یہ بھی محقق نہیں کہ شیخ الشیوخ نے جو نسخہ بھیجا تھا وہ ہانسی میں موصول ہوا یا اجودھن میں۔ اگر اس خاندان میں اب تک وہ عوارف المعارف موجود ہے تو صحیح پتہ چل سکتا ہے کہ یہ تحفۂ شیخ الشیوخ تھا یا نہیں۔ اور اگر وہ نسخہ ضائع ہو گیا ہے تو افسوس بر حالِ ما۔

Marfat.com

تو اسے یہی جواب دیا جاتا کہ درید؛ جمال را فریدِ نتواں دوخت۔ اگرچہ روحانیت کا کوئی آئین اس اعزاز اور حق کی تائید نہیں کرتا حضرت جمال کی عظمت وفضیلت کا بہترین ثبوت ہے کہ حضرت بہار الدین زکریا رہ ان کے بجید معترف و قدرداں تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اُنہوں نے لکھا تھا کہ میرے سب مرید لے لو مگر جمال کو مجھے دیدو۔ جس پر بابا صاحب رہ نے جواب دیا تھا کہ معاوضہ مال میں ہوا کرتا ہے۔ جمال دینے کی شئے نہیں ہے۔ اب اس کو کیا کیا جائے کہ اس قدر دانی اور مطالبہ پر عجیب کہانی گھڑ لی گئی ہے۔ ودروغ بر گردن راوی اور نقل کفر کفر نباشد۔ وہ کہانی یہ ہے کہ حضرت زکریا رہ نے اپنے روحانی تصرف سے حضرت جمال کو مسخر کرلیا اور اُنہوں نے مرشد سے حضرت زکریا رہ کی خدمت میں رہنے کی اجازت طلب کی جس کے جواب میں بابا صاحب رہ نے فرمایا برو رُوئے خود سیاہ کن۔ پھر بابا صاحب خاکم بہ دہن۔ غم و افسوس میں یہ رباعی پڑھا کرتے تھے۔

رو۔ گرد جہاں بگرد : پا آبلہ کن
گر ہیچو منے یابی مارا بلہ کن
یک صبح باخلاص بیا بر درِ ما
گر کار تو بر نیاید گلہ کن

کہا گیا ہے کہ یہ برگشتگی و روسیاہی سال بھر تک رہی

Marfat.com

کوئی صحیح الدماغ اور صاحب فہم اس روایت کے سننے کا روادار نہیں ہو سکتا۔ اس سے تینوں بزرگوں کی اہانت اور تنقیص ہوتی ہے۔ حضرت جمال جیسے خلیفہ اعظم پر مردودِ بیعت ہونے کا شبہ کرنا گناہ کبیرہ سے کم نہیں۔ حضرت زکریاؒ کی شان سے قطعی بعید ہے کہ وہ کسی کے مرید پر اثر ڈالتے۔ اور بہتانِ عظیم ہے کہ باباصاحبؒ نے ایسی رکیک و ذلیل رباعی پڑھی ہو۔ خوش عقیدگی میں اظہار کمال کے لیے جاہل لوگ اسی قسم کی باتیں گھڑ لیا کرتے ہیں۔ مگر افسوس خواص پر ہے کہ ایسی باتوں پر زجر و توبیخ نہیں کرتے۔

سیرالاولیاء میں ہے کہ آخر زمانہ میں خادمہ کی معرفت (یا بقول سراج العشب سلطان المشائخ کی معرفت) شیخ جمال نے کہلا بھیجا تھا کہ آج کل خرچ کی تنگی ہے اور تکلیف میں گزرتی ہے۔ دعا فرما دیجئے۔ جس کا جواب حضرت باباصاحبؒ نے یہ دیا تھا کہ "چوں ولایت کسے دادہ شود او را واجب است استمالت آں ولایت"۔ استمالت کے معنی دلدہی کرنے کے ہیں۔ لہٰذا مطلب نہیں نکلتا سوائے اس کے کہ سوالِ دیگر و جوابِ دیگر۔ مگر بعد میں کسی سائل کے جواب میں حضرت چراغ دہلوی رح نے اس کی تشریح فرمائی تھی کہ "ملوک آخرت کی استمالت کے معنی ہیں" توجہ القلب الی اللہ من کل الوجوہ"

یعنی موانع سے بے نیاز ہوکر اللہ کی یاد میں مشغول رہو. صاحب سراج السنب نے ان معنوں کی اصلاح فرمائی ہے اور یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب تم کو ولایت سپرد کردی گئی اور قربِ و معیتِ حق حاصل ہے۔ پھر ہم سے دعا کے لیے کیوں کہتے ہو خود ہی استمالت کرو۔ اس تشریح سے علمیت کا نہیں بلکہ خوش عقیدگی کا پتہ چلتا ہے۔

سیر الاولیاء کی اسی روایت کی بگڑی ہوئی صورت حضرت محدث دہلوی رح نے اخبار الاخیار میں یُوں پیش کی ہے کہ ایک شخص نے ہانسی سے آکر عرض کیا کہ جب روز سے حضور کے مرید ہوئے مخدوم (یعنی حضرت جمال) نے کل اسباب و مواضع و شغل کتابت کو بالکلیہ ترک کر دیا ہے اور سخت فاقے اور بلائیں کھینچتے ہیں۔ اس کلام سے حضرت شیخ خوش ہوئے اور فرمایا الحمد للہ بہت خوش رہتے ہیں. حقیقت تو یہی ہے مگر خدا جانے اہل ظاہر اس کا کیا مفہوم لیں گے. اس کے علاوہ اگر یہ روایت کسی نوعیت سے صحیح ہے تو حضرت جمال جیسے بزرگ کامل کی یہ استدعا تعجبات سے ہے

حضرت سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ موسم سرما میں ہم ہانسی حضرت جمال کی خدمت میں پہنچے شیخ جمال رح نے تواضعاً یہ شعر پڑھا۔

Marfat.com

بارِ روغن گاوٗ اندریں روزِ خنک
نیکو باشد ہریسہ دنانِ تُنک

فرماتے ہیں میں نے عرض کیا. ذکر الغائب غیبۃ[۱] حُسنِ طلب کی اس لطافت پر تبسّم فرمایا اور کہا موجود ہے۔

روایت ہے کہ حالت نزع میں زبان بند ہو جانے کی وجہ سے بڑے صاحبزادے کو خلافت نہ دے سکے۔ مگر اسی عالم میں چھوٹے صاحبزادے کو خدمت شیخ میں پیش کرنے کی وصیّت فرمائی عقل حیران ہے کہ کونسی بات کو مانا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑے صاحبزادے بقول سلطان المشائخ مجذوب تھے۔ لہذا ان کو خلافت دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وصیّت کے مطابق خادمہ[۱] نے صوفی برہان الدینؒ کو جبکہ ان کی عمر سات آٹھ ماہ کی تھی خدمت شیخ میں پیش کیا[۲] تو حضرت بابا صاحبؒ نے اپنی خلافت عطا فرمائی اور ہدایت کی کہ سلطان المشائخ سے بڑے ہو کر

---

[۱] خادمہ کو مادر مومناں یا ام المومنین لکھا گیا ہے۔ مگر یہ خطاب محض ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص ہے۔

[۲] عام صورت سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اجودھن لے جا کر پیش کیا تھا۔ مگر سراج الشب میں درج ہے کہ بابا صاحب تعزیت کے لیے خود ہانسی آئے تھے تو ہانسی میں پیش کیا تھا۔ مگر بابا صاحبؒ کا حضرت جمال کے انتقال پر ہانسی آنا کسی طرح ثابت نہیں۔

Marfat.com

تعلیم حاصل کریں ۔ خادمہ نکتہ فہم معلوم ہوتی ہے ۔ اس نے عرض کیا کہ ابھی برہان الدین بالا ہے ۔ اس پر اسے سمجھا دیا کہ پونوں کا چاند بالا ہوا کرتا ہے اور یہی ہلال بڑھ کر بدر کامل بن جاتا ہے۔

نہایت اہم روایت ہے کہ سلطان المشائخ جب اپنی سند لے کر حضرت جمال رح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا:۔

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردم بہ گوہر شناس

کہا تو یہ جاتا ہے کہ یہ شعر سند پر لکھ دیا تھا لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ سند پر لکھنا بے ادبی تھی ۔ معلوم نہیں اس شعر میں لفظ سپردم ہے یا سپردہ ہے یا سپارد ہے ۔ موقع و محل کے لحاظ سے سپردہ اور سپارد دونوں صحیح ہو سکتے ہیں مگر سپردم قطعی بے معنی ہے اس لیے کہ گوہر حضرت بابا صاحب نے سپرد کیا تھا نہ کہ حضرت جمال نے ۔ یا پھر سپارد کا فاعل خداوند تعالیٰ ہے. لیکن سپردہ زیادہ موزوں و مناسب ہے . حاشیہ نشینوں نے سپردم لکھ کر یہ معنی پیدا کیے ہیں کہ اس وقت سلطان المشائخ کو عوارف المعارف کا وہ نسخہ بھی دیا تھا جو بابا صاحبؒ نے شیخ جمال کو عطا کیا تھا ۔ اور شیخ جمال نے ہدایت کی تھی کہ جب کبھی ہمارا پوتا تمہارے پاس آئے تو امانت دے دینا ۔ گویا سپردم

Marfat.com

کہہ کر ظاہری خلافت کے بجائے اویسیہ طریقہ کی خلافت دینے کا ثبوت فراہم کر دیا۔ اب اگر واقعات پر نظر رکھی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ شیخ جمال[۲] اپنی خلافت کسی کو بھی نہ دے سکے۔ ان کے صاحبزادے برہان الدین صوفی نے ازراہِ ادب سلطان المشائخ رح کی حیات میں کسی کو مرید بھی نہیں کیا۔ اور سلطان المشائخ کی حیات میں ہی صوفی صاحب کا وصال ہوگیا۔ جس سال ۶۹۹ھ میں اُن کا وصال ہوا اسی سال ان کے صاحبزادے قطب الدین منور پیدا ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخ رح نے قطب الدین منور کو ۷۰۸ھ میں خلافت و امانت مرحمت فرمائی تھی۔ اور ان کے بعد اسی وقت حضرت چراغ دہلوی رح کو خلافت سے مشرف فرمایا تھا۔[۱] وقت خلافت قطب الدین منور کی عمر آٹھ سال کی تھی اور نابالغ تھے

---

[۱] روایت ہے کہ حصول خلافت کے بعد شیخ منور سے حضرت چراغ دہلوی نے پوچھا تھا کہ شیخ نے جو وصیت آپ کو کی ہے وہ کیا ہے۔ پھر میں بتا دوں گا کہ مجھے کیا وصیت کی ہے۔ ان نابالغ آٹھ برس کے صاحبزادے نے جواب دیا کہ وہ راز ہے اس لیے نہیں بتا سکتا۔ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ حضرت چراغ دہلوی رح نے جو علم و تجربہ میں کمال رکھتے تھے ان صاحبزادے سے یہ دریافت کرکے آزمائش کی تھی اور امتحان لیا تھا۔ ورنہ اس سے یہ کبھی نہیں سمجھا جاسکتا کہ حضرت منور حضرت چراغ دہلوی پر فوقیت رکھتے تھے۔

Marfat.com

اس سے ظاہر ہے کہ سلسلہ جمالیہ کی ۶۶ سال تک اشاعت نہیں ہوئی۔ بالغ ہوکر اُنہوں نے تبلیغ فرمائی ہوگی۔ مگر محمد تغلق کا عہد صوفیہ اور علماء کو راس نہیں تھا۔ اس کے زمانہ میں ہر شخص کی تبلیغ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھی۔ محمد تغلق جب ہانسی گیا تو اس نے زبردستی قطب الدین منور ؒ کو طلب کیا۔ اور اپنے ساتھ لاکر دہلی میں ملاقات کی۔ وہ حسب معمول قہر و غضب کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ مگر مصافحہ کرتے ہی ملایم پڑ گیا۔ اس نے اپنی مرعوبیت کا خود اقرار کیا ہے۔ اس کے بعد ان کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آیا۔

حضرت جمال رح کے متعلق یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی حیات میں صرف دو شخصوں کو مرید کیا تھا۔ ایک قاضی القضاۃ حسام الدین اندرپتی تھے۔ اور دوسرے میران صاحب جو اگروہا ضلع حصار کے تعلقہ دار تھے۔ تبلیغ و اشاعت کا حضرت قطب جمال رح کو موقع میسر نہیں ہوا۔ لہذا یہ واقعہ ہے کہ ۶۵۹ھ سے ۷۲۵ھ یا اس کے بعد تک سلسلۂ جمالیہ خاموش ہوکر سلسلۂ نظامیہ میں شامل رہا۔ اس اتحاد کو یقیناً رحمت و برکت تصور کیا جا سکتا ہے اور کسی نوعیت سے معیوب نہیں خیال کیا جا سکتا۔ اس سے حضرت جمال رح کی عظمت میں برائے نام بھی فرق نہیں آتا۔ اہلِ ظاہر نکتہ چینی کریں مگر اہلِ باطن نہیں کر سکتے۔

Marfat.com

۲۔ حضرت منتجب الدین زری زربخش رح

حضرت جمال ہانسوی رح کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ہانسی میں بارہ برس حضرت جمال کے دوش بدوش حضرت بابا صاحب سے روحانی تعلیم پائی۔ اور ایک ہی ساتھ ایک ہی روز دونوں صاحبان کو خلافت مرحمت فرمائی گئی۔ نئے حضرات کی خلافت کے وقت ان سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ کو مثال دکھانے کے لیے ان کی خدمت میں بھی بمقام دہلی بھیجا گیا تھا۔ زری زربخش ان کا خطاب تھا۔ ہانسی چھوڑ کر دہلی میں بود و باش اختیار کی تھی۔ آخر میں حضرت بابا صاحب رح نے تبلیغ سلسلہ کے لیے دکن بھیجا تھا[1] وہیں وصال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ سال وصال ۶۹۵ھ ہے۔ ان کے ہی بھائی شیخ برہان الدین غریب تھے۔

۳۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رح

ولادت	۵۷۱ھ
وصال	۶۶۴ھ

---

[1] فرشتہ

Marfat.com

حضرت داتا گنج شکر کے برادرِ خورد تھے۔ بداوں سے بغرض تعلیم دہلی آئے اور وہیں بودوباش اختیار کی۔ اُن کے قیام دہلی کی مدت ستر سال کی بتائی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ عید کے روز چند قلندر سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ دینے کو کچھ نہ تھا۔ محض ٹھنڈے پانی سے ان کی تواضع کی۔ بغیر اسباب کے خوش زندگی گزارتے تھے۔ چھپر کے خام مکان میں رہتے تھے۔ ایک متمول عابدہ بی بی فاطمہ اکثر ان کی مدد فرمایا کرتی تھیں۔ دہلی کے دروازہ مندہ کے قریب اُن کا مزار ہے۔ چند حاضریوں کے بعد جب اجودھن سے چلے تو آئندہ حاضر ہونے کے متعلق شیخ کبیر سے دعا کی استدعا کی۔ جواب ملا تم کئی مرتبہ آؤ گے۔ آخری مرتبہ جب یہی درخواست کی تو سکوت اختیار کیا گیا۔ ملفوظاتِ سلطان المشائخ میں ان کی اجودھن میں ۲۷ حاضریاں بتائی گئی ہیں (غالباً تعداد میں سہو واقع ہوا ہے)[1]

ایک مرتبہ کسی سے ایک بدایونی درویش شیخ وجیہ الدین کی تعریف سُن کر بداوں پہنچے۔ بے اتفاقی پر خاموشی سے خود ان کی چٹائی پر بیٹھ گئے۔ درویش صاحب نے چشم و ابرو بگاڑ لیے

---

[1] سیر الاولیا میں ہے کہ ہر سال دہلی سے اجودھن جاتے تھے۔ اس طرح انیس۱۹ مرتبہ حاضر ہوئے۔

Marfat.com

چٹائی پر رکھی ہوئی ایک کتاب دیکھنے میں یہ مصروف تھے ۔ اتفاقیہ اس میں یہ فقرا نظر پڑا کہ "آخر زمانہ میں درویش متکبر ہوں گے "۔ اس فقرے کو اُن درویش صاحب کو ملاحظہ کرمایا اور سلام کرکے چلے آئے ۔ ؎۱

دہلی کے ایک تُرک عامل نے متوکل صاحب کو اپنی مسجد کا امام مقرر کیا تھا اور رہنے کو مکان بھی دے دیا تھا۔ جب اس کی لڑکی کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تو متوکل صاحب نے اسراف بیجا کا اُس پر اعتراض کیا کہ اتنی رقم راہِ خدا میں صرف ہوتی تو بہتر تھا۔ عامل نے گستاخی سمجھ کر ان کو برطرف کر دیا۔ شیخ کبیر سے جاکر مصیبت بیان کی۔ جواب ملا جب ایک آیت منسوخ ہو جاتی ہے تو دوسری نازل ہو جاتی ہے، چنانچہ

؎۱ تذکرۃ الواصلین میں ایک بزرگ شیخ وجیہ الدین فاروقی ابن حاجی مسعود فاروقی کا ذکر ہے ۔ یہ صاحب حضرت جلال تبریزی اور بابا صاحبؒ کے ہمعصر تھے ۔ ان کا وصال ۶۲۱ھ میں ہوا۔ بدایوں میں بیدھن ٹولہ کی مسجد فاروقیاں میں مزار ہے ۔ ممکن ہے کہ ان ہی کا احیا ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو متوکل صاحب کے بدایوں آنے کا تعین کیا جا سکتا ہے اور یہ جب کا ذکر ہے کہ انہیں خلافت نہیں ملی تھی۔ اور بابا صاحب کا قیام ہانسی میں تھا ؛

Marfat.com

کچھ دن بعد دوسرا عامل آگیا اور اس نے بجید تواضع کی۔ ان کے دو صاحبزادے تھے محمدؒ اور احمدؒ۔ جب بچوں کا نام لیتے تو بڑی تعظیم کے ساتھ مخاطب کرتے۔

حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ

ولادت بمقام ہرات	سنہ ۶۱۴ھ
خدمت شیخ میں بمقام ہانسی آتے	سنہ ۶۲۲ھ
شادی بہ عمر ۲۱ سال بمقام اجودہن	سنہ ۶۳۵ھ
خلافت و روانگی کلیر	ابتداء سنہ ۶۴۶ھ
وصال	۶۷۰ھ یا سنہ ۶۶۹ھ

حضرت بابا صاحب کی ہمشیرہ بی بی حاجرہ کی شادی غوث پاکؒ کے پوتے اور شیخ عبدالوہاب کے صاحبزادے شیخ عبدالرحیم سے ہوئی تھی اور وہ مجذوب تھے۔ بی بی صاحبہ اپنے صاحبزادے کو ہرات سے لاکر بمقام ہانسی[۱] اپنے بھائی کے سپرد کر گئی تھیں۔

---

[۱] سپردگی بمقام کھوتوال اور دہلی۔ اس لیے ممکن نہیں کہ بابا صاحب اپنی تعلیم و سیاحت میں خود مصروف و مشغول تھے۔ سکون و فرصت کا زمانہ وہ ہے جبکہ ہانسی میں قیام فرمایا۔

Marfat.com

بابا صاحب کا قیام ۶۲۲ھ سے ۶۳۴ھ تک ہانسی میں تھا لہذا بہ عمر آٹھ سال جب مخدوم صاحب کی والدہ ان کو بھائی کے سپرد کرنے کے لیے لائیں تو یہ سپردگی بمقام ہانسی ہو سکتی ہے نہ کہ بمقام کھوتوال یا پاک پٹن۔ اس وقت مخدوم صاحب[1] کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ تین برس کہا جاتا ہے کہ مخدوم صاحب کو ظاہری تعلیم دی گئی اور اس کے بعد والدہ صاحبہ ہرات کو چلی گئیں۔ جب بابا صاحب اجودھن گئے تو خاندان کے ساتھ مخدوم صاحب بھی اجودھن گئے۔ زوجہ اولے کے بطن سے ماموں صاحب کی صاحبزادی بی بی خدیجہ عرف شرف النساء سے ان کی والدہ صاحبہ کے اصرار پر مخدوم صاحب کا نکاح کر دیا گیا تھا۔ لیکن نکاح کے بعد اسی دن قضا عنداللہ دلھن کا انتقال ہو گیا تھا۔

مخدوم صاحب میں شروع ہی سے جذبہ کے آثار تھے۔ روحانی تعلیم کے سلسلہ میں انہیں شغل نوری میں لگا دیا گیا تھا۔ لہذا گوشہ نشین ہو کر وہ سب سے الگ تھلگ رہے۔

---

[1] شریعت و طریقت کے معیار پر مخدوم صاحب کی سوانح عمری نئی شان سے احقر نے مرتب کی ہے۔ جو نظامی پریس بدایوں سے شائع ہو چکی ہے۔

ہانسی ہی بابا صاحب نے لنگر کا اجرا نہیں کیا تھا۔ بلکہ عرصہ دراز کے بعد قیام اجودھن میں لنگر کو جاری کیا تھا۔ لہذا ہانسی میں مخدوم صاحب کے منتظم لنگر ہونے کا تصور غلط ہے۔ اور اجودھن کے لنگرخانہ کے منتظمین ہیں۔ ان کا اسم گرامی درج نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ شغل نوری میں مشغول تھے۔ ممکن ہے کہ وہ بجائے ظاہری لنگر کے روحانی لنگر کے منتظم ہوں۔ دوران شغل میں وہ کھانے پینے سے بے نیاز رہے اس واسطے صابر کا خطاب ملا۔ اور پھر انہیں خلافت بھی مرحمت فرمائی۔ اور ولایت کلیر میں ان کا تقرر کیا گیا۔ وہاں اُنہوں نے خود قلبی طور پر روحانیت کی تبلیغ فرمائی[1] اور اپنے سلسلہ کا اجرا کیا۔ حضرت باباصاحبؒ نے اپنے وصال سے کچھ پہلے ارشاد کیا تھا کہ "علم سینۂ من بہ شیخ نظام الدین بدایونی رسید۔ وعلم دل من بہ شیخ علاؤالدین علی احمد صابر فائز گردید" اسی سے مخدوم صاحب کی عظمت ورفعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جو "علم دل" کا حامل ہو اس کے کوائف اگر ظاہری عقل کی سمجھ میں نہ آئیں تو حیرت کی بات نہیں۔ اسی وجہ

---

[1] اس قلبی تبلیغ میں قیاسی جلال والی کرامات کا شمار نہیں کیا جا سکتا جو عام طور پر غلط مشہور ہیں۔

Marfat.com

سے مؤرخین اور معاصرین ان کے حالات بتانے سے معذور ہیں۔ مگر تاریخ ان کے سلسلہ اور ان کی تبلیغ کی شہادت دیتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مہر لگوانے کے لیے حضرت مخدوم صاحب کو حضرت جمال کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اس وقت حضرت جمال کی عمر تریسٹھ سال کی تھی۔ اور مخدوم صاحب تیس برس کے تھے۔ اس کے متعلق تنازعہ و مناقشہ کی کہانی عام طور پر مشہور ہے۔ مگر یہ نوعیت سے قطعی غلط ہے۔ مخدوم صاحب دس بارہ برس ہانسی میں بابا صاحب کے پاس رہے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت میں حضرت جمال کا بھی ہاتھ تھا۔ حضرت جمال ہانسی میں اور اجودھن میں ان پر توجہ فرماتے تھے۔ اور مخدوم صاحب ان کی شفقت کی وجہ سے ان کا برابر ادب و احترام کرتے تھے۔ اب اگر مغالطہ ہو سکتا ہے تو یہی کہ جمال صاحب ان جیسے مجذوب کے ہاتھ میں سند دیکھ کر آن واحد کے لیے سکتہ میں آگئے تھے مگر ان کی فراست نے وہم کو دور کر دیا۔ اور انہوں نے فرط مسرت میں قیام کے لیے کہا مگر چونکہ مخدوم صاحب کو واپس جانا تھا انہوں نے ادب سے معافی مانگ لی۔ اس کے بعد نہ صرف مہر لگا دی بلکہ اپنی روحانیت کا کچھ حصہ بھی دیا اور بابا صاحب کو لکھا کہ شاہد عزت و جبروت کو خلافت دینے پر مسرت ہوئی یہ حضور کا کمال ہے اور ہماری عزت افزائی ہے۔ خط دیکھ کر حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ جی چاہتا

Marfat.com

ہے کہ جمال پر قربان ہو جاؤں یعنی انہوں نے رازِ مشاطگی کو سمجھ لیا۔ اور اس میں مشاطگی کا پہلو یہ تھا کہ شیخ جمالؒ کی آزمایش کی گئی تھی۔ غالباً مخدوم صاحب پہلے خلیفہ تھے جن کو خلافت عطا کرنے کے بعد اُن کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ اس مفہوم کے علاوہ جو روایت مشہور ہے وہ ہر طرح مردود ہے کیونکہ اس سے مرشد کی، شیخ صابر کی اور شیخ جمال تینوں کی تنقیص ہوتی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ حضرت مخدوم صاحبؒ کے ابتدائی حالات کسی کو معلوم نہیں[1] اور جو حالات بعد کو فراہم کیے گئے ہیں وہ بقول پروفیسر خلیق نظامی صاحبِ مشائخ چشت "اُن کی بنیاد یا کشف پر ہے یا سُنی سنائی روایات پر ہے اور ان دونوں پر اعتبار کرنا خطرے سے خالی نہیں"۔ بیشک یہ جملہ روایتیں اختراعی اور خلافِ آئین ہیں۔ درویشی میں اسم و رسم دونوں کو پہلے ہی سلام کر لیا جاتا ہے اور مشہور ہے اندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست۔ گمنامی و بے نشانی فقیر کے زیور ہیں اور ثبوت ہیں کہ فقیر نے اخلاقِ الٰہی کس درجہ حاصل کیے۔ اب اگر مخدوم صاحبؒ کے حالات سے دُنیا بے خبر ہے

---

[1] قدیم تذکروں میں فوائد الفواد اور سیر الاولیاء کو فوقیت حاصل ہے۔ فوائد الفواد میں مخدوم صاحبؒ کا کوئی ذکر نہیں۔ سیر الاولیاء میں البتہ کچھ ذکر ہے لیکن سیر الاولیا کی حقیقت و تحریف اس کتاب میں ایک حاشیہ میں درج کر دی گئی ہے۔

Marfat.com

تو یہ ان کے کمال کا بہترین وصف ہے مگر یہ آشکارا ہے کہ ان کی تعلیم و تبلیغ کی وجہ سے ان کا نام زندہ ہے۔ لہذا یہ بے نشانی اور یہ زندگی بہترین کمال ہے۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے جذب و سلوک کے مدارج سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے ان کی تشریح یہ ہے:۔

(۱) مبتدی سالک (۲) سالک مجذوب (۳) مجذوب (۴) مجذوب سالک اور پھر منتہی سالک۔ ہر بزرگ کامل کو یہ مدارج طے کرنا پڑتے ہیں۔ مرشد کا کمال یہ ہے کہ ہر مرید کی استعداد اور طبیعت و مزاج کی ساخت کو مدِنظر رکھ کر منزل طے کرائے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ طلب ہے کہ حضرت شیخ جمال رح نے نمبروار یہ مدارج طے کیے۔ سلطان المشائخ کے حالات سے قطعی پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے جذب کا درجہ کیسے طے کیا۔ اور حضرت مخدوم صاحب کے متعلق خبر نہیں کہ سلوک کی منزل ان سے کس طرح طے کروائی گئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ شیخ جمال رح خود تبلیغ نہ فرما سکے اور ان کے سلسلہ کا اجرا ہوا تو عرصہ دراز کے بعد ان کے پوتے حضرت قطب الدین منور رح نے کیا۔ مخدوم صاحب نے کلیر پہنچتے ہی خود تعلیم فرمائی اور ان کے سلسلہ کا اجرا آب و تاب سے فوراً ہوا۔ سلطان المشائخ دہلی پہنچ کر عرصہ دراز تک زلزال شدید میں مبتلا رہے۔ اس بیس برس کے وقفہ کے بعد جب تبلیغ کی تو گویا ملک ہند فتح کر لیا۔ اور ان کا سلسلہ آج تک

Marfat.com

مسلسل جاری ہے۔ شیخ کبیر نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ تمہیں عقل اخلاق اور عشق سے مرجع کیا ہے۔ تمہارا سایۂ عاطفت سب کے لیے پناہ ہو گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم صاحب سے سلوک کے مدارج مجذوب سالک کے درجہ میں طے کروائے گئے۔ چونکہ وہ حاضرین اور سائلوں کی نظر سے اوجھل تھے لہذا ان کے حالات بھی قلمبند نہ کیے جا سکے[1]۔

---

[1] پاکپتن شریف جب سب سے پہلی مرتبہ میں گیا تو بر سبیل تذکرہ وہاں سید محمد صاحب مرحوم نے مجھے بتایا کہ ایک درویش ۱۹۱۰ء میں یہاں آئے تھے۔ جب لوگوں نے پریشان کیا تو انہیں حجرہ دے دیا گیا اور اس میں وہ بند ہیں۔ دیوار میں جو سوراخ ہے اس کے ذریعہ ضروریات بھی کر دی جاتی ہیں۔ لیکن اگر کسی خاص شے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ پرچہ پر لکھ دیتے ہیں۔ اگرچہ دنیا سے بے تعلق ہو کر اتنے سال سے بند ہیں۔ مگر دماغ کی صحت کی علامت یہ ہے کہ ہر سال عید کے موقع پر ایک رنگین کارڈ دکر مجھے بھیجا کرتے ہیں۔ غالباً ۱۹۴۸ء میں جب دوبارہ حاضری میں نے دی تو دادا بخش محمد صدیق صاحب مرحوم سے معلوم ہوا کہ مرض اسہال میں انتقال فرمایا جب کواڑ توڑ کر ہم اندر گئے تو چادر سے منہ ڈھکا ہوا تھا۔ ہٹا کر جو دیکھا تو چہرہ خوبصورت و نورانی تھا۔ زلفیں تھیں۔ بال گندھے ہوئے تھے اور مانگ نکلی ہوئی تھی۔ بہشتی دروازہ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت و صحبت میں رہنے والوں نے ضمناً مختلف روایات کے ساتھ شیخ صابر اور علی صابر کا ذکر کیا ہے۔ ایک صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ خلافت دیتے وقت کہا تھا کہ صابر زندگانی خوش خواہی گزرانید۔ اس خوشی کا مفہوم سمجھنے کے لیے شیخ جمال ہانسویؒ کی روایت پر غور کرنا چاہیے۔ جب کسی نے بتایا کہ شیخ جمال کی تنگی میں گزر ہوتی ہے تو فرمایا کہ الحمدللہ خوش رہتے ہیں، پھر ایک صاحب کے متعلق بتایا ہے کہ قصبہ ڈینگری کے رہنے والے تھے اور اسرائیلی تھے۔ بالفرض وہ ایسے ہی تھے تو ان کی بزرگی و عظمت میں کس طرح فرق آگیا۔ یہ محض ہندوستانی ذہنیت ہے جو ایسا تصور کیا گیا۔ جن قدیمی نسخوں میں اس قسم کا ذکر ہے تو وہ محقق نہیں۔ سید امام علی الحق یا علی الحق سیالکوٹی کے متعلق مدارج الولایت میں درج ہے کہ جب وہ بیعت کے لیے حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو علی بہاری اور علی احمد صابر وہاں موجود تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے جنوب میں اس حجرہ کے سامنے ان کا مزار ہے۔ کسی کو ان کے نام و وطن کا پتہ نہیں۔ چوبیس سال اس حجرے میں کیسے گزارے اور ان کا مقصد زندگی کیا تھا، کسی کو نہیں معلوم اب دنیا کیسے سمجھ سکتی ہے کہ ایک ایسا بھی وجود رہا۔

Marfat.com

چنانچہ حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ علی بھی ان دو علی کے ساتھ لاحق ہوں اسی لیے ان کا خطاب لاحق ہوا۔ اس کی وفات ۶۵۶ھ میں ہوئی۔ لہٰذا یہ روایت مندرجہ بالا روایتوں سے زیادہ معتبر اور افضل ہے۔

بقول سیر الاولیاء مقطوع الخلافت ہونے کا قصہ کسی نامعلوم امام کا ہے لیکن پھر بھی سیر الاولیاء نے علی صابر سے منسوب کر دیا۔ سخت نافرمانی و بغاوت کی وجہ سے مرشد خلافت واپس لے لیا کرتا ہے۔ ان مقطوع الخلافت سے سند واپس لینے کی کوئی خاص وجہ نہیں بتائی گئی ہے اور یہ خلافت شیخ نے نہیں بلکہ شیخ کے خلیفہ نے واپس لی ہے۔ کسی خلیفہ کو خلافت کے ردو قبول کا مختار بنا دینا عجائبات سے ہے اور اگر اس کو اجتہاد کہا جائے تو وہ جواز کا محتاج ہے۔ حضرت شیخ کا اس پر یہ کہنا کہ دریدہ جمال را فرید نتواں دوخت محض ایک ہوائی ہے جس کو روحانیت کے کسی دستور سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا اس پوری روایت کا انشاء و املا قطعی غلط ہے۔ مرشد کی عطا کردہ سند خلافت کو اس کا کوئی خلیفہ چاک نہیں کر سکتا۔ اور پھر حضرت جمال سے نزاع اس لیے بھی غلط ہے کہ حضرت جمال مخدوم صاحب کو بچپن سے جانتے تھے۔ ان کے مربّی تھے اور ان کی تعلیم و تربیت میں ان کا بھی ہاتھ تھا۔

Marfat.com

حضرت بابا صاحب کے دربار میں بہت سے بدنصیب و جاہل ہر طرح کی گستاخیاں کر جاتے تھے مگر وہ ہمیشہ ہنس کر ٹال دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ یوسف نے دردِ دل کے طور پر اپنی محرومی کی شکایت کی تھی تو ان کو جواب ملا تھا کہ تم اپنی استعداد پر غور کرو۔ اب اگر اللہ نہ دے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد اُن پر اتنی شفقت فرمائی کہ آج ان کا اسم گرامی خلفاء کی فہرست میں داخل ہے اور کہیں ذکر نہیں ہے کہ تصدیق خلافت کے لیے انہیں حضرت جمالؒ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ معلوم ہُوا کہ "ایں کار شیخی بازیِ بچگاں نیست" اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خلافت محض شیخ کا ہی کرم نہیں ہے بلکہ اس میں عالم بالا کا بھی اشارہ ہُوا کرتا ہے وہ نہیں دی جا سکتی "تا نہ بخشد خدائے بخشندہ"۔ جب یہ ہے تو خلافت نامہ چاک کیے جانے کی روایت از سرتاپا لغو ہے۔

بہرحال شیخ صابر اور علی صابر کا جماعت فریدیہ میں نام موجود ہے۔ راویوں نے اس سے دو شخصیتیں مراد لی ہیں۔ بالفرض ایک ہی شخصیت ہو تو حالات کے متعلق دو مختلف روایتیں بھی ایک ہی شخصیت پر چسپاں ہو سکتی ہیں۔ عام لوگ ہی نہیں بلکہ خواص بھی تشخص نہ کر سکے۔ بلکہ یہ شخصیت حضرت مخدوم صاحب کی ہی تھی جس کو کسی نے کسی نام سے یاد کیا اور کسی نے کسی داستاں

Marfat.com

کے ساتھ تذکرہ کیا۔

کلیر شریف کے متعلق یہ ہے کہ خواجہ بزرگ اجمیری رہ نے اپنے خلیفہ حضرت امام الدین دمشقی کو تبلیغ کے لیے وہاں بھیجا تھا۔ ان کی شہادت کے بعد وہاں کار تبلیغ غالباً بند ہوگیا تھا۔ حضرت بابا صاحبؒ نے اپنے زمانہ میں اس سنت کی تجدید کی اور مخدوم صاحب کو اس نواح میں متعین کیا۔ امام الدین صاحبؒ کا مزار اب تک بلندی پر زیارت گاہ خلائق ہے اور اسی ادب کی وجہ سے زائرین کلیر پہلے وہاں فاتحہ پڑھا کرتے ہیں۔ اس کے بعد مخدوم صاحب کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں۔ مخدوم صاحب کا مزار وصال کے بعد خام بنایا گیا تھا اور ان کی قبر پر پتھر کا تختہ لگایا گیا تھا جو حضرت امام الدین صاحب کے مزار سے لایا گیا تھا۔ اس کے بعد بتدریج مزار پختہ بنا اور قبہ کی تعمیر ہوئی [1]

حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کے متعلق بھی عجیب

---

[1] ساٹھ ستر برس ہوئے تو سرکاری طور پر ایک مسلمان جج نے قبر وغیرہ کی تحقیق کر کے رپورٹ لکھی تھی۔ مولانا ظہیر العلماء سہسوانی نے اپنی مختصر کتاب سوانح عمری صابر میں اس کا حوالہ دیا تھا۔ اور یہ کتاب ملک چنن الدین لاہور نے شائع کی تھی۔ مگر اب کہیں نہیں ملتی ۔

Marfat.com

مغالطہ ہے۔ ان کا اسم گرامی حضرت بختیار کاکیؒ اور حضرت بابا فریدؒ کے خلفاء میں بھی شامل ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں صاحبان نے انہیں اپنے یہاں زیرِ تعلیم رکھا۔ مگر خلافت نہیں دی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا حصہ مخدوم صاحب کے پاس ہے۔

ظاہر ہے کہ مخدوم صاحب کی تعلیم و تربیت اور خلافت ایک خاص نوعیت رکھتی ہے۔ مرشد کو ان پر فخر تھا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جب یہ سُنا کہ انہوں نے ان کے متعلق "شیخ" کہہ کر استفسار حال کیا تو وجد طاری ہو گیا۔ اور فرمایا کہ جب صابر نے شیخ کہہ دیا تو میں واقعی شیخ ہو گیا۔ مدعا یہ کہ انتہائی درجۂ فنا میں بھی مجھے یاد رکھا۔ عام نگاہیں نہ سمجھ سکیں مگر مخدوم صاحب کی گمنامی و بے نشانی کے باوجود ان کے قلبی کارناموں اور سلسلہ کے اجراء سے ان کا نام زندہ ہے۔ ان کی تعلیم سے اہلِ سلسلہ برابر مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے مرید بھی جذبۂ جنون سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کی تبلیغ کا واحد مقصد یہ ہے کہ رہتے نام اللہ کا۔ تعلیم صابری سے مستفیض ہو کر قلب صمیم کے ساتھ بزبانِ حال ہماری اعلان کیا کرتے ہیں۔

با خدا دائیم و ما را نا خدا در کار نیست

Marfat.com

۵- شیخ بدرالدین اسحٰق

اجودھن آئے .. .. سنہ ۶۳۱ھ
شادی .. .. .. سنہ ۶۵۱ھ
وصال .. .. سنہ ۶۹۰ھ یا ۶۹۳ھ

یہ حضرت دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔ عالم ہونے کے ساتھ ذکی و ظریف بھی تھے۔ کسی علمی مسئلہ میں ایسے اُلجھے کہ سلجھانے کے لیے بخارا کا ارادہ کیا۔ راہ میں اجودھن نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُلجھن ایسی دُور ہوئی کہ وہیں کے ہو رہے۔ خلافت کے ساتھ دامادی کا بھی شرف حاصل ہوا۔ رقیق القلب تھے۔ آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے۔ اجودھن میں رواج دیکھا کہ شادی سے پہلے گھڑول میں پانی بھر کر متعلقین لاتے اور دولھا دلہن کو نہلاتے۔ فرمانے لگے کہ اس رسم سے ہم محروم رہے۔ ہلنسی کی بات تھی۔ پیرو مرشد نے سُن لی۔ جواب دیا بے فکر رہو۔ تمھاری گھڑولی کی رسم قیامت تک جاری رہے گی۔ چنانچہ عرس کے موقع پر یہ رسم برابر ادا کی جاتی ہے۔ معتمد و محبوب خلیفہ تھے۔ تعویذ، مراسلت اور مسائل و اسناد لکھنے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔ شیخ کے وصال کے بعد حضرت بدرالدین اسحٰق رہے

Marfat.com

کچھ ان بن ہوگئی تھی۔ اس لیے مکان چھوڑ کر جامع مسجد میں رہنے کو چلے گئے تھے۔ حضرت جمال اور حضرت مخدوم صابر صاحبان کے چلے جانے کے بعد آپ اجودھن تشریف لائے تھے۔ یعنی اوائل ۶۴۶ھ میں اور شادی بی بی فاطمہ سے ۶۵۰ھ میں ہوئی تھی۔ اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر تیرہ چودہ برس کی ہونی چاہیئے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ۔ جن کی تعلیم و تربیت دہلی میں سلطان المشائخ نے کی تھی۔ شوہر کے انتقال کے بعد بی بی فاطمہ کو بھی دہلی بلا لیا گیا تھا۔ اُن کا مزار دہلی میں ہے۔ خواجہ حسن نظامی دہلویؒ انہیں کی اولاد سے تھے[1]۔ خواجہ حسن نظامی رح نے مولانا اسحٰق رح کے روضہ پر ان کا سال رحلت ۶۹۳ھ کندہ کروایا ہے مگر قرائن سے سال وصال ۶۹۰ھ ٹھہرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۔ حضرت نصیرالدین متبنٰی

ولادت ۶۳۷ھ

بزرگ کامل تھے و عمر دراز در رضاء حق بسر بُردہ۔ مزار

---

[1] اسی رشتہ سے خواجہ حسن نظامی رح مجھ احقر کو ماموں لکھا کرتے تھے۔

Marfat.com

موضع چولیانہ مضافات پرگنہ دیپولہ میں ہے۔ شیخ کبیر کے بڑے بھائی اعزالدین محمودؒ کا مزار بھی اسی جگہ ہے۔ ان کے صاحبزادے شیخ کمال الدین تھے جنہوں نے بہ حکم حضرت سلطان المشائخ مالوہ جاکر سلسلہ کی نشر و اشاعت کی تھی اور دھار میں اقامت گزین ہو گئے تھے۔ ان حضرت کو غلطی سے بعض لوگوں نے حضرت بابا صاحبؒ کا فرزند اکبر لکھا ہے اور یہ غلط ہے ان کے والد کا اسم گرامی سید انعام الحق تھا۔ اور ان کی والدہ صاحبہ حضرت بابا صاحبؒ کے عقد نکاح میں آگئی تھیں۔ اس نام کے کوئی صاحبزادے حضرت بابا صاحبؒ کے نہیں تھے۔

۷۔ حضرت بدرالدین سلیمانؒ

ولادت	۶۳۵ھ
سجادگی	۶۶۱ھ
وصال	۶۶۵ھ

صلاح و تقویٰ میں مشہور تھے۔ مشائخ کبار کے اوصاف رکھتے تھے۔ حضرت والا کے وصال کے بعد سب بھائیوں کی

Marfat.com

اتفاق رائے سے سجادہ نشین ہوئے۔ یہ درحقیقت فرزند اکبر تھے۔ بھائیوں سے منتخب یوں کروایا گیا کہ بعد میں کسی کو کچھ اختلاف نہ ہو۔ مراۃ الاسرار میں ہے کہ آں مقام را بنور حضور بر جادۂ طریقت منور گردانید۔ وے را گنجشکر رح مرید خلفائے چشت گردانیدہ بودند۔ بقول صاحب خزینۃ الاصفیا خواجہ مودود اور خواجہ زور چشت سے اجودھن آئے تھے تو حضرت بالا نے شیخ شہاب الدین گنج علم رح کو اور ان کو تیمناً و تبرکاً ان کا مرید کروا دیا تھا۔ ان کی شادی قاضی ابو مسلم عثمانی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان ہی کے انتظام میں سلطان المشائخ نے بابا صاحب رح کا روضہ بنوایا تھا اور بہشتی دروازہ قائم کیا تھا۔ عرس کے جملہ رسومات۔ لنگر کا دستور اور مستحقین کو داد و دہش سب کچھ سلطان المشائخ کے مقرر کردہ ہیں یہی نہیں بلکہ بہشتی دروازہ کھولتے وقت سلطان المشائخ ہی کی حرکات و سکنات کا اتباع کیا جاتا ہے۔ ان سب کی تفصیل درگاہ کے رجسٹر میں محفوظ ہے۔

۸۔ حضرت شہاب الدین گنج علم رح

صاحب علم و فضل تھے۔ والد کی خدمت میں برابر حاضر رہتے تھے۔ سلطان المشائخ سے محبت و خلوص رکھتے تھے۔

Marfat.com

جواہر فریدی میں ان کے چھ صاحبزادے لکھے ہیں۔ اور ان سب کی اولاد دہلی۔ فتح پور۔ چندواڑہ۔ جونپور۔ ٹانڈہ۔ سرسا۔ رہتاس گڑھ۔ پھلواری اور بہار و بنگال کے مختلف مقامات میں جا کر بس گئی۔

۹۔ حضرت نظام الدین شہیدؒ

سب اولاد میں یہی سب سے زیادہ لاڈلے تھے۔ جلال الدین خلجی کے عہد میں رنتھنبور کی جنگ میں بسال ۶۹۶ھ / ۱۲۹۸ء شہید ہوئے۔ مزار قلعہ رنتھنبور میں بتایا جاتا ہے اور یہ بھی شہرت ہے کہ نعش کا پتہ نہ چلا۔ بلبن کے آخر عہد میں فوج میں بھرتی ہوئے تھے اور فوج کے ساتھ پٹیالی میں قیام رہا تھا۔ ان کے فرزند خواجہ عزیزالدین تھے جو سلطان المشائخ کی تربیت میں رہتے تھے۔ خواجہ عزیزالدین خوش الحانی سے قرآن پڑھا کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ کے امام جماعت بھی تھے۔ اور اُن کی قرآن خوانی انہیں پسند و مرغوب تھی۔ مزار سلطان المشائخ کے پائیں ہے۔

۱۰۔ شیخ محمد یعقوبؒ

سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ملامتیہ طریق رکھتے

Marfat.com

تھے۔ زیادہ تر سفر میں وقت گزرتا تھا۔ امروہہ ضلع مرادآباد میں جاکر مردان غیب میں شامل ہو گئے۔ ان کے دو صاحبزادے تھے۔ خواجہ عزیز الدین دیوگیر (دکن) چلے گئے تھے اور خواجہ قاضی کا وصال دہلی میں ہوا۔ ان کا چبوترۂ یاراں پر مزار ہے۔ ان دونوں صاحبزادوں کی پرورش بھی سلطان المشائخ نے کی تھی۔

۱۱۔ حضرت نظام الدین سلطان المشائخ بدایونیؒ

ولادت بمقام بدایوں	سنہ ۶۳۴ھ [۱]
تعلیم در بدایوں تا	سنہ ۶۵۰ھ
تعلیم در دہلی تا	سنہ ۶۵۴ھ
بیعت بمقام اجودھن	سنہ ۶۵۴ھ
خلافت	سنہ ۶۵۶ھ
زلزال شدید بمقام دہلی	سنہ ۶۵۸ھ تا سنہ ۶۸۵ھ
تبلیغ و اشاعت	سنہ ۶۸۵ھ تا سنہ ۷۲۵ھ
وصال	سنہ ۷۲۵ھ

۱؎ سیر الاولیاء میں تاریخ ولادت سنہ ۶۳۶ھ درج ہے۔ جو یقیناً صحیح نہیں ہے۔

Marfat.com

حضرت سلطان المشائخ حضرت سید احمد بخاریؒ کے صاحبزادے تھے۔ اور حضرت سید عربؒ خلیفۂ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے نواسے تھے۔ ان دونوں صاحبان کے مزارات بدایوں میں زیارت گاہِ خلق ہیں۔ سلطان المشائخ کا اسم مبارک سید محمد تھا۔ پانچ برس کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ والدہ ماجدہ بی بی زلیخا نے تعلیم و تربیت دی۔ علمیت و قابلیت کی وجہ سے دہلی میں "بحاث" اور "محفل شکن" کے خطابات سے مشہور تھے۔ فارغ التحصیل ہوکر بیس برس کی عمر میں اجودھن پہنچے۔ ۶۵۵ھ میں جب اپنا نام خلفاء کے رجسٹر میں لکھوانے ہانسی گئے تو حضرت جمالؒ نے فرمایا ؎

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ[۱] بہ گوہر شناس

پھر حسب الحکم حضرت منتجب الدین کو دہلی میں اپنی مسند خلافت دکھائی۔ انہوں نے بھی تصدیق کی لہذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔ بہتر کشد ز اول نقاش نقش ثانی۔ اسی واسطے جگ اُجیالے نظام الدین اور محبوب الٰہی کہلائے۔ بعد حصول خلافت

۱؎ سپارد کا لفظ یہاں مناسب ہے کہ بقول بابا صاحبؒ فرمان الٰہی تھا کہ ایسی خلافت کسی کو نہ دینا نظام الدین آرہے ہیں۔ سپارد کا تعلق بابا صاحب اور اہلِ علی شانہٗ دونوں سے ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

بعہد سلطان ناصرالدین محمود دہلی آئے۔ بعد میں اسی سلطان کے عہد میں شیخ کبیر کا وصال ہوا۔ پہلی حاضری کے موقع پر اجودھن میں دس دن قیام کیا۔ دوسری حاضری کے وقت سات ماہ اٹھارہ دن خدمتِ شیخ میں رہے اور تیسری مرتبہ کے قیام کا تعین نہیں مگر بعد حصول خلافت واپس آئے۔ خود فرمایا کہ حیاتِ شیخ میں تین مرتبہ اور شیخ کے وصال کے بعد سات مرتبہ اجودھن جانا ہوا۔ شیخ کی وصیت کے مطابق دہلی پہنچ کر قرآن شریف حفظ کیا اور مجاہدات میں بڑی تنگی و عسرت سے بیس برس گزارے۔ سلطان ناصرالدین کے وسط عہد سے محمد تغلق تک چھوٹے بڑے گیارہ سلاطین کا زمانہ پایا۔ ۶۸۵ھ تک سخت تکالیف سے سابقہ پڑا۔ کسی نے بات تک نہ پوچھی عسرت کا یہ عالم تھا کہ دمڑی کے بیس سیر خربوزہ بکتے[1] تھے مگر کبھی خرید نہ سکے۔ اس میں مخالفتِ نفس کا بھی دخل تھا۔ اجودھن سے رخصت ہوتے وقت شیخ سے درخواستِ دعا کی تھی کہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ اس کی قبولیت کا یقین بھی دلا دیا گیا تھا۔ اب دہلی پہنچ کر جس مصیبت و زلزال شدید میں مبتلا ہوئے اس کو مشاقی کی ادا ہی کہا جا سکتا ہے۔ مگر قبولیتِ دعا کے یقین پر سب کچھ جھیل گئے

---

[1] نرخِ بازار ملاحظہ طلب ہے۔

Marfat.com

بعد میں فتوحات کا دروازہ کھلا تو مقبولیت حاصل ہوئی۔ کیقباد نے جب کیلوکھری میں محل بنوایا تو سلطان المشائخ کی خانقاہ کا بھی اجراء ہوا۔ خانقاہ عماد الملک[1] کے وکیل ضیاء الدین نے بنوائی تھی۔ علاؤ الدین خلجی معتقد تھا۔ اس نے ہر چند ملاقات کی درخواست کی لیکن نہ اسے اپنے یہاں آنے دیا اور نہ خود اس کے یہاں گئے۔ لنگر اور تبلیغ کا اتنا زبردست اجراء ہوا کہ دہلی سے غیاث پور تک لوگوں کی آسائش اور نماز کے لیے چبوترے بن گئے اور سبیلیں لگ گئیں۔ معتقدین کا شب و روز تانتا لگا رہتا تھا۔ بیعت عام کر دی تھی۔ مسلمانوں کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کی۔ شریعت و طریقت کا بول بالا کیا۔ سلطان قطب الدین مبارک اور سلطان غیاث الدین تغلق جل اُٹھے۔ مخالفت میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا مگر منہ کی کھائی۔ غیاث الدین کے انتقال کے وقت بیماری میں مبتلا تھے اس کے دب کر مرجانے سے صرف اٹھارہ روز بعد اُنہوں نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ حضرت رکن الدین ملتانیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اُن سے اور اِن سے پر خلوص نیاز تھا۔ سلسلہ کے استحکام کے لیے

---

[1] ایک عماد الملک حضرت متوکل کی اولاد میں تھے اور سرکار سنبھل و باؤں کے جاگیردار تھے۔ مگر یہ صاحب ۱۵۲۰ء میں تھے۔ اور عماد الملک عہد سلطان جی میں جو تھے وہ کوئی اور صاحب تھے۔

Marfat.com

علانیہ بہترین انتظام کیا۔ ہر چہار اطراف تبلیغ کے لیے اپنے خلفاء بھیجے۔ آج بھی برملا سلسلۂ نظامیہ تمام روشن کیے ہوئے ہے۔ حضرت امیر خسروؒ نے صحیح تصویر کھینچی ہے۔

سیرت میمونش بدین پروری
خسرو دیباچۂ پیغمبری

اور اب آخر میں عبدالرحمٰن حیا بدایونی مرحوم نے درخواست کی۔

ذرا پھر دیکھ لو ترچھی نظر سے
حیا قربان محبوب الٰہی

۱۲۔ حضرت علاؤ الدین موج دریاؒ

ولادت	۶۲۹ھ
سجادگی	۶۶۵ھ
وصال	۷۱۹ھ

حضرت بدرالدین سلیمانؒ کے یہ صاحبزادے تھے۔ امیر خسرو، میر خورد اور ضیاء الدین برنی نے ان کی شان میں قصیدے لکھے ہیں حضرت رکن الدین ملتانیؒ سے دوستانہ مراسم تھے۔ روایت ہے کہ حضرت رکن الدین سے مصافحہ کرنے کے بعد اپنے ہاتھ دھو لیا کرتے تھے، معنی یہ تھے کہ اُن کے دست مبارک غنا سے لبریز تھے اور ان کے ہاتھ بالکل خالی تھے۔ یہی دونوں سلسلوں میں امتیاز ہے۔

Marfat.com

معلوم یہ ہوا کہ باوجود دوستی کے اپنے اپنے اصولوں پر قائم ہیں۔ سلطان فیروز شاہ اور سلطان محمد تغلق معتقد و مرید تھے۔ محمد تغلق ہی نے حضرت کا عالی شان گنبد بنوایا تھا۔ حضرت کے دو صاحبزادے تھے شیخ معیزالدین کو محمد تغلق نے گجرات بھیج دیا تھا اور ان کا وہیں وصال ہوا۔ اور شیخ علم الدین کو شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز کیا تھا۔ ان کی خدمات سیاسی نقطہ نگاہ سے نہیں حاصل کی گئی تھیں بلکہ اپنی عقیدتمندی کا اور ان کی قابلیتوں سے اپنا نام روشن کرنا تھا۔

ان صاحبان کے علاوہ حضرات ذیل بھی خلفاء تھے۔ نہیں بتایا جا سکتا کہ ان میں سے کس کس کو حضرت جمال ہانسوی رح کی خدمت میں بغیر بھیجے ہوئے خلافت عطا فرمائی تھی اور کس کس کے متعلق شیخ منتجب الدین رح سے مشورہ لیا تھا۔ خلفاء کی مکمل فہرست حضرت جمال ہانسوی رح کے رجسٹر سے معلوم ہو سکتی ہے مگر یا تو رجسٹر کی روایت غلط ہے یا وہ رجسٹر حضرت جمال رح کے ورثار سے بجائے محفوظ رہنے کے ضائع ہو گیا۔ واللہ اعلم

۱۔ شیخ محمد سراج رح
۲۔ شیخ جمال عاشق رح
۳۔ شیخ صدر دیوانہ رح
۴۔ شیخ جلال الدین رح[1]
۵۔ کبیر الدین امام علی علی الحق رح سیالکوٹی
۶۔ شیخ عارف سیوستانی رح
۷۔ محمد فخرالدین رومی رح

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

۸۔ شیخ یوسف رح
۹۔ شیخ زین الدین دمشقی رح
۱۰۔ شیخ علی شکر باران رح
۱۱۔ شیخ محمد بن محمود کرمانی رح
۱۲۔ شیخ برہان الدین صوفی رح
۱۳۔ مولانا علی بہاری (بخاری) رح
۱۴۔ شیخ حمید الدین مکالی رح
۱۵۔ شیخ دہارو خادم رح
۱۶۔ شیخ علی شکر ریز رح
۱۷۔ دھنی دیا۔ شیخ الہ دیا رح
۱۸۔ شیخ زکریا سندھی رح
۱۹۔ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رح[۲]
۲۰۔ شیخ محمد نیشاپوری رح
۲۱۔ مولانا محمد مولہانی رح
۲۲۔ شیخ محمد شاہ غوری رح
۲۳۔ شیخ فخر الدین صفہانی مقیم بنگرام رح
۲۴۔ شیخ واحد رح
۲۵۔ شیخ علی لاحق (علی الحق) رح
۲۶۔ مولانا تقی الدین رح
۲۷۔ شیخ رکن الدین رح
۲۸۔ شیخ داؤد پاہی رح

---

[۱] (حاشیہ صفحہ گذشتہ) شیخ جلال الدین الملقب شاہ نور جمال رح کا مزار پر انوار ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) سے آٹھ میل دور شوالک کی پہاڑیوں میں ہے۔ جہاں ہر سال بڑی دھوم دھام سے عرس ہوا کرتا تھا۔ مزار مبارک ابھی تک محفوظ ہے۔ اور ہر سال پاکستان سے ایک سو زائرین عرس کرنے جاتے ہیں۔

[۲] غلطی سے خلفاء میں نام لکھا گیا ہے۔ یہ مستفیض تھے، خلیفہ نہیں تھے۔

Marfat.com

۱۷

درگاہ و مزارات

درگاہ کا دروازہ جانب مشرق بلند و رفیع ہے۔ اس کے سامنے اندر کو روضہ ہے۔ جاتے ہوئے سیدھے ہاتھ کو سماع خانہ ہے۔ روضہ کے اندر جگہ مختصر ہے۔ اس کے مشرقی دروازے میں داخل ہوتے ہی پہلا مزار حضرت بدرالدین سلیمانؒ کا ہے۔ اس کے قریب برابر کو دوسرا مزار حضرت دادا کا ہے۔ مزار کے مغرب میں کافی جگہ ہے کہ لوگ بیٹھ سکیں۔ قرآن کی تلاوت کر سکیں اور نماز پڑھ سکیں۔ قبہ مبارک میں عورتوں کے داخلہ کی ممانعت ہے۔ وہ شمالی دیوار کی جالی سے باہر کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھتی ہیں جنوبی دیوار میں جو دروازہ ہے وہ بہشتی دروازہ ہے۔ یہ ہمیشہ بند رہتا ہے۔ محض عرس کے ایام میں کھولا جاتا ہے۔ چھٹی محرم کو دوپہر تک جملہ زائرین شہر بدر کر دیئے جاتے ہیں اور باہر کیمپ میں جمع ہوتے ہیں۔ محض خواص کو اندرون آبادی رہنے کے

Marfat.com

لیے اجازت نامے مل جاتے ہیں۔ شام[۵۱] کو اپنی کچہری[۵۲] سے دیوان صاحب حلقہ میں جلوس کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں اور روضہ کے قریب پہنچتے پہنچتے خواص کا اژدہام ہو جاتا ہے۔ مشرقی دروازہ سے روضہ میں داخل ہوتے ہیں اور فاتحہ پڑھنے کے بعد اسی سے باہر آتے ہیں۔ اور گھوم کر بہشتی دروازہ پر پہنچ کر اس طرف سے لپشت کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جملہ رسوم ادا کرتے ہیں۔ جو سلطان المشائخ نے قائم کی تھیں۔ چنانچہ اس موقع پر قوال قوالی سناتا ہے۔ سجادہ صاحب کوڑیاں پھینکتے ہیں۔ پھر تین مرتبہ تالی بجاکر بہشتی دروازہ کا قفل کھولتے ہیں اور قبہ کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ چند عزیز و اقارب ان کے ساتھ جاتے ہیں۔ اور دروازہ بند کر لیا جاتا ہے۔ اندر پہنچ کر شربت بھری گھڑیوں پر شہدائے کربلا کی فاتحہ دی جاتی ہے اور شربت اندر کے حاضرین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پھر لوح مزار پر دیوان صاحب زعفران پیستے ہیں اور ناند میں بھیگی ہوئی پگڑیوں کو اس زعفران سے رنگتے ہیں

---

[۵۱] دیوان سید محمد مرحوم عموماً شام کو ہی آتے تھے۔ مگر ان کے صاحبزادے دیوان غلام قطب الدین (موجودہ دیوان) بعد نماز عشا بہشتی دروازہ کھولنے کے لیے کچہری سے چلتے ہیں۔

[۵۲] دیوان صاحب کے مردانہ مکان کو کچہری کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

پہلی دستار اپنے سر پر باندھتے ہیں۔ اس کے بعد مراتب کے لحاظ سے خاندانی حضرات کو دستار دیتے ہیں۔ اب قُبّہ کے مشرقی دروازہ نکل کر سماع خانہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ چوبدار مور کی دُم کا جھنڈا لیے ہوئے آگے ہوتا ہے اور قوال قوالی سناتے ہوئے چلتے ہیں۔ آدھی دُور جاکر بہ تقلید سلطان المشائخؒ مزار کی طرف تین مرتبہ واپس آتے ہیں۔ اس کے بعد سماع خانہ جاتے ہیں۔ سلطان المشائخ سماع خانہ یوں تشریف لے گئے تھے کہ وہاں حضرت بدرالدین سلیمانؒ ان کے استقبال کے منتظر تھے۔ پھر روضہ کے مشرقی دروازہ کے قریب بلند مقام پر دیوان صاحب اس لیے بیٹھ جاتے ہیں کہ زائرین بہشتی دروازہ سے آکر بعد فاتحہ باہر نکلیں اور انہیں چھوٹی چھوٹی پگڑیاں جو تاندیں بھیگی ہوتی ہیں۔ تبرک کے طور پر دیں۔ جس وقت تالی بجاکر بہشتی دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اسی وقت توپ[1] داغی جاتی ہے اور کیمپ سے پولیس کی نگرانی میں لوگ قطار لگاکر اندر آتے ہیں اور بہشتی دروازہ میں سے گذرتے ہیں۔ بہشتی دروازے کے سامنے آکر جوش میں جب زائرین ایک دوسرے سے پہلے داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو پولیس کے افسران بانس مار مار کر انہیں قاعدے میں لاتے

---

[1] اب بڑے بڑے پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔

یہ نقشہ رات بھر رہتا ہے۔ بہشتی دروازے میں سے نکلنے والوں میں مسلمانوں سے زیادہ سکھوں کی تعداد ہوا کرتی تھی۔ اب تقسیم ملک کے بعد کی خبر نہیں[1] یہ دروازہ فجر کے وقت بند ہوجاتا ہے۔ پھر شام کو رات بھر کے لیے دوبارہ کھولا جاتا ہے۔ لیکن دوسرے دن یہ زور شور نہیں ہوتا۔ اور پولیس کی نگرانی بھی کڑی نہیں ہوتی۔ گوشت پڑی چنے کی دال اور خمیری روٹی لنگر میں تقسیم کی جاتی ہے اور لذیذ ہوتی ہے روضہ کے جنوبی جانب حجروں کی قطار ہے۔ ان حجروں میں مغربی سمت کو حجرۂ صابری ہے۔ روضہ کے شمال و مغرب میں مسجد ہے۔ مسجد اور روضہ کے درمیان ایک حجرہ ہے۔ بعدِ وصال حضرت والا اسی جگہ سپرد زمین کیے گئے تھے۔ پھر روضہ بن جانے پر سلطان المشائخ نے اس جگہ منتقل کیا جہاں اب مزار ہے۔ روضہ کی ہر اینٹ پر ایک قرآن دم کیا گیا تھا۔ اس حجرے کے اندر مغرب کی طرف حضرت گنج علم رح اور دیوان اللہ جوایا کے مزارات ہیں۔ اس سے آگے دو دیواروں کے درمیان دیوان فتح محمدؒ کا مزار ہے۔ پھر وہی مسجد ہے۔ روضہ کے مشرق و شمال جانب ایک عالی شان گنبد ہے۔ یہاں حضرت علاؤ الدین

---

[1] تقسیم کے بعد سے سکھ آنے بند ہوچکے ہیں۔ کبھی کبھار ایک آدھ دیا لے کر آجاتا ہے۔ (ناشر)

Marfat.com

موج دریا آسودہ ہیں۔ اور اہل خاندان کے مزارات ہیں۔ اس میں مشرق کی طرف خاندانی مستورات کی قبریں ہیں۔ اور پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے مرد فاتحہ پڑھنے اُدھر نہیں جایا کرتے۔ روضہ و گنبد کے درمیان میں جو گلی شمال کو جاتی ہے اس پر سنگ مرمر کی ایک مختصر سی حد بندی ہے۔ اور یہ اولیاء مسجد کہلاتی ہے۔ درگاہ کے باہر مشرق میں قلعہ نما پُشتہ کے اُوپر دیوان صاحبان کے مکانات ہیں اور "کچہری" ہے جہاں حضرت والا کا سجادہ لپٹا ہوا رکھا رہتا ہے۔

قصبہ کی بلندی پر ایک شہیدی دروازہ ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر جو مقبرہ ہے اس میں مولانا بدرالدین اسحٰق آرام فرما رہے ہیں اور قریب میں مسجد ہے۔ ان کے عرس کے موقع پر گھڑا گھڑولی کی رسم قابل دید ہوتی ہے۔ عرس یکم یا ششم جمادی الآخر کو ہوا کرتا ہے۔ پاکپٹن کے باہر مغرب کی جانب نصف فرلانگ پر شیخ عبداللہ معصوم کا گنبد ہے۔ یہ حضرت بی بی خاتون بیگم کے بطن سے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ایک مسجد اس کے قریب بھی ہے۔ اس مسجد کے مغرب میں ایک چاردیواری ہے جس کا دروازہ صندل کا ہے۔ جب بہشتی دروازہ سنگِ مرمر کا بنایا گیا تو وہاں سے یہ کواڑ اور چوکھٹ لاکر یہاں لگا دیئے گئے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں

Marfat.com

حضرت والا سب سے پہلے اجودھن آکر تشریف فرما ہوئے تھے اور اسی جگہ اپنی گدڑی سیا کرتے تھے۔ لہذا اس چاردیواری کا نام "گدڑی" ہو گیا۔ اس کے قریب حافظ قائم نوشاہی کا مزار ہے۔ شریف التواریخ (قلمی)، جو سلسلہ نوشاہیہ کی مبسوط تاریخ ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ جب حافظ صاحب نے بابا صاحب کے مزار پر معتکف ہو کر بے حد ریاضت کی اور فیض حاصل نہ ہوا تو مزار مبارک پر ہاتھ مار کر باہر آ گئے۔ رات کو خواب میں حضرت بابا صاحب کی زیارت ہوئی۔ اور حضرت والا نے فرمایا کہ تم قرآن بہت اچھا پڑھتے تھے۔ اس لیے تمہاری قربت و صحبت عزیز تھی۔ تمہارا حصہ شیخ پیر محمد سچیار کے پاس ہے۔ لہذا آپ بابا صاحب کے ایما سے پیر محمد سچیار کے مرید ہوئے۔ دلچسپ مشہور ہے کہ فاتح سندھ محمد بن قاسم کے ساتھیوں میں حضرت خواجہ عزیز مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور ان کے چھ احباب بھی تھے جن کی شہادت اجودھن کی جنگ میں ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ خواجہ عزیز مکی رضا سر کٹ جانے کے بعد مصروف پیکار رہے۔ اس احاطہ[1] میں ایک لمبی قبر ہے اور دوسری چھوٹی قبر جو ہے وہ ان کے سر والا دھڑ کی ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے ان ساتوں

---

[1] یہ احاطہ حضرت بابا صاحب رح کے مزار سے تقریباً نصف میل جانب مغرب واقع ہے۔

Marfat.com

مجاہدین کے مزارات از روئے کشف مشاہدہ کیے تھے یا بروایت ان حضرات نے خود مشاہدہ کروائے تھے اور نشاندہی کی تھی۔ حضرت عزیز مکی رح کے متعلق مختلف روایات ہیں کہ یہ منجملہ صحابہ رسولؐ تھے۔ عمر طویل و دراز ہوئی۔ اور پاکپٹن میں آکر شہید ہوئے۔ یہ بزرگ وہی عزیز مکی رح ہیں جن سے سلسلہ قلندریہ مکیہ کا اجرار ہوا۔ ان کے خلیفہ حضرت خضر رومی رح خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے یہاں آکر مہمان ہوئے تھے۔ اور دونوں صاحبان نے ایک دوسرے کو اپنا خرقہ دیا تھا اور اپنے سلسلوں کی اجازت دی تھی۔ اسی سلسلہ قلندریہ مکیہ کے درخشاں ماہتاب میرے مرشد حضرت سید مقبول میاں صاحب قبلہ خیرآبادی رح تھے۔ جن سے ہمارے زمانہ کو نمایاں طور پر فیض پہنچا۔ حضرت خضر رومی رح کا ہی قول ہے کہ "ہستیاں خدا را معنت یافتند"

امیر تیمور لنگ حضرت سعید برقی رح کا مرید تھا۔ اس کا مزار اس کے مرشد کے برابر ہے۔ امیر تیمور نے نعمت اللہ شاہ ولی کو جن کی پیشین گوئیاں از قسم پیدا شود وغیرہ عام طور پر مشہور ہیں۔ اپنے دار السلطنت شہر سبز سے نکال دیا تھا۔ کیونکہ

سلہ حضرت مقبول میاں صاحب رح کا وصال بمقام خیرآباد ضلع سیتاپور ۲ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ کو ہوا۔

Marfat.com

وہ ان کو مہمل سمجھتا تھا۔ یہ نعمت اللہ ولی شیعہ تھے۔ چنانچہ ان کی ایک رباعی سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ؎

خواہی کہ ز دوزخ برہانی دل وتن
اثنا عشری شو وگزین مذہب من
دانی شہ محمد بود و چہار علی
یا موسٰی و جعفر و حسین و دو حسن

بہرحال جب امیر تیمور حملہ کی غرض سے ہندوستان آیا تو اس نے داخل ہوتے ہی سب سے پہلے حضرت بابا صاحبؒ کے مزار مقدس پر حاضری دی تھی اور بعد میں اسی کی اولاد میں سے شہنشاہ اکبر نے اجودھن حاضریاں دیں اور اجودھن کا نام پاک پٹن رکھا۔

Marfat.com

۱۸

سجادہ نشین

۱- حضرت بدرالدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ پانچ سال سجادہ رہے اور ۶۶۵ھ میں وصال ہوا

۲- " علاؤ الدین موج دریا رح سجادگی ۵۴ سال ۷۳۳ھ " "

۳- " شیخ معیز الدین رح " ۱۶ برس ۷۴۹ھ میں وصال ہوا

۴- " شیخ محمد فضیل رح ۷۵۶ھ " " "

۵- " " منور ۸۰۶ھ " " "

۶- " " نورالدین ولد شیخ منور رح ۸۲۳ھ " " "

۷- " " بہاؤ الدین ولد شیخ منور رح ۸۴۲ھ " " "

۸- " " محمد یونس ولد بہاؤ الدین رح ۸۵۶ھ " " "

۹- " " محمد احمد ولد محمد یونس رح ۸۷۷ھ " " "

۱۰- " " عطاء اللہ ولد محمد احمد رح ۸۹۵ھ " " "

۱۱- " محمد ولد عطاء اللہ رح ۹۷۷ھ " " "

Marfat.com

۱۲۔ حضرت شیخ ابراہیم کبریا فرید ثانی ولد شیخ محمدؒ سنہ ۵۹ھ میں وصال ہوا

۱۳۔ 〃 〃 تاج الدین محمد ولد شیخ ابراہیم کبریاؒ سنہ ۱۰۲۲ھ 〃 〃 〃

۱۴۔ 〃 〃 فیض اللہ ولد تاج الدین محمودؒ سنہ ۱۰۱۸ھ 〃 〃 〃

۱۵۔ 〃 〃 ابراہیم ولد فیض اللہ سنہ ۱۰۳۱ھ 〃 〃 〃

۱۶۔ 〃 〃 محمد ولد ابراہیم (مصنف جواہر فریدی و مخزن چشت) سنہ ۱۰۸۳ھ 〃 〃 〃

۱۷۔ 〃 〃 محمد اشرف ولد شیخ محمد سنہ ۱۱۲۲ھ 〃 〃 〃

۱۸۔ 〃 〃 محمد سعید داماد محمد اشرف سنہ ۱۱۵۰ھ 〃 〃 〃

۱۹۔ 〃 〃 محمد یوسف ولد محمد سعید سنہ ۱۱۶۵ھ 〃 〃 〃

۲۰۔ 〃 〃 عبد السبحان ولد محمد سعید (ریاست بہاولپور قائم کروائی)

۲۱۔ 〃 〃 غلام رسول داماد محمد یوسف

۲۲۔ 〃 〃 محمد یار ولد غلام رسول بعہد رنجیت سنگھ۔ سنہ ۱۲۲۴ھ 〃 〃 〃

۲۳۔ 〃 〃 شرف الدین (محمد یار کے نواسے) سنہ ۱۲۶۱ھ 〃 〃 〃

۲۴۔ 〃 〃 اللہ جوایا برادر شرف الدین سنہ ۱۳۰۲ھ 〃 〃 〃

۲۵۔ 〃 〃 دیوان سید محمد خبیرہ اللہ جوایا[1] سنہ ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء 〃 〃 〃

۲۶ 〃 〃 〃 غلام قطب الدین سلمہٗ ؛ دیوان اللہ جوایا کی اولاد نے ان کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور تا بلوغ انتظام انگریزی سرکار

---

[1] دیوان سید محمد مرحوم بہادر، جری اور بڑے منتظم انسان تھے۔ ان کے دیوان مقرر ہونے سے قبل درگاہ سے وقف اراضی پر (باقی اگلے صفحہ پر)

نے کیا۔ آخرکار مقدمہ پریوی کونسل سے ان کے موافق ہوا۔ مگر ۱۷ر جنوری ۱۹۶۱ء سے انتظام محکمہ اوقاف کے قبضہ میں ہے۔
دیوان صاحب کی علیحدگی کے بعد غالباً دو عرس محکمہ اوقاف کے زیرانتظام ہوئے۔ اور دیوان صاحب کی غیر موجودگی کو عوام و خواص نے بہت شدت سے محسوس کیا۔ اس پر محکمہ اوقاف کے اعلیٰ افسروں نے دیوان صاحب کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ خود عرس کی رسومات ادا کیا کریں۔ چنانچہ اب دیوان صاحب ہی تمام رسومات ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ درگاہ کلیتہً سرکاری تحویل میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لوگوں نے غاصبانہ قبضہ جمایا ہوا تھا۔ ان کی کوششوں سے لاکھوں کی زمین دوبارہ درگاہ کے نام ہوئی اور درگاہ میں مہمانوں کے لیے حجرے تعمیر کرائے۔ نیز لنگر کا انتظام صحیح کیا۔ مرحوم میں ہمدردیٔ قوم کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ موجودہ سجادہ نشین دیوان غلام قطب الدین ان ہی کے فرزند اکبر ہیں۔

Marfat.com

لواحقین

جو حضرت باباصاحب کے زمانے سے ہیں

۱۔ چراغیان۔ از اولاد سلطان شہاب الدین غوری[1]

۲۔ خادمان۔ از قوم سودہری راجپوت

۳۔ جاروب کش و خدمتگار درگاہ۔ از قوم دہڑی

۴۔ قوال۔

۵۔ حجام۔ از اولاد کبکھو حجام جو حضرت والا کی خدمت کیا کرتا تھا۔

---

[1] اولاد کے بجائے خاندان کا لفظ زیادہ مناسب ہو سکتا ہے کیونکہ سلطان شاید لاولد تھا۔

Marfat.com

۱۹

تاریخی حوالے

- حملہ کابل بعہد حضرت امیر معاویہ رض — سنہ ۶۶۴ء
- کابل پر یعقوب بن لیث صفاری کا حملہ — سنہ ۸۷۱ء
- کابل ہنود کے قبضہ میں — سنہ ۶۶۴-۹۷۷ء
- راجہ ہراسے سبکتگین نے کابل فتح کیا — سنہ ۹۸۸ء
- البیرونی ہندوستان میں — سنہ ۹۷۳-۱۰۴۸ء
- سلطان محمود غزنوی کا حملہ سومنات — سنہ ۱۰۲۵ء
- ابراہیم غزنوی نے اجودھن فتح کیا — سنہ ۱۰۷۹ء
- علاؤالدین جہانسوز نے غزنی فتح کیا — سنہ ۱۱۵۵ء
- محمد غوری نے لاہور و سیالکوٹ فتح کیا — سنہ ۱۱۸۶ء
  ۵۸۲ھ
- خسرو ملک کو پھانسی — سنہ ۱۱۹۲ء

Marfat.com

★ محمد غوری نے جنگ ثانی میں ترائن فتح کیا	سنہ ۱۱۹۲ء
★ دہلی میں اسلامی سلطنت قائم ہوئی	سنہ ۱۲۰۶ء
★ خواجہ بزرگ ہندوستان تشریف لائے	سنہ ۱۱۹۱-۱۱۹۲ء ۵۸۷ھ
★ شمس الدین التمش	سنہ ۱۲۱۱-۱۲۳۵ء
★ حملہ چنگیز خاں ہندوستان پر	سنہ ۱۲۲۱-۱۲۲۲ء
★ ترلی خاں نے ملتان کا محاصرہ کیا	سنہ ۱۲۲۱ء
★ رکن الدین فیروز شاہ	سنہ ۱۲۳۵ء ۶۳۳ھ
★ وصال خواجہ قطب صاحبؒ	۷ دسمبر سنہ ۱۲۳۵ء ۱۲ ربیع الاول سنہ ۶۳۴ھ
★ سلطانہ رضیہ	سنہ ۱۲۳۶ - ۱۲۴۰ء ۶۳۴ - ۶۳۸ھ
★ مغلوں کا حملہ لاہور	سنہ ۱۲۴۰ء ۶۳۷ھ
★ فتح گوالیار	سنہ ۱۲۳۲ء ۶۲۸ھ
★ انتقال التمش	سنہ ۶۳۳ھ
★ وصال خواجہ بزرگؒ	سنہ ۶۳۳ھ
★ سلطان ناصر الدین محمود	سنہ ۱۲۴۶ - ۱۲۶۸ء ۶۴۴ - ۶۶۴ھ
★ غیاث الدین بلبن	سنہ ۱۲۶۶-۱۲۸۷ء
★ سلطان ناصر الدین اجودھن میں	سنہ ۱۲۴۵ء ۶۴۳ھ

Marfat.com

★ وصال بابا فرید گنج شکرؒ	سنہ ۶۶۱ھ
★ وصال شیخ جمال ہانسویؒ	سنہ ۶۵۹ھ
★ وصال مخدوم علاؤ الدین صابر کلیریؒ	سنہ ۶۷۹ یا سنہ ۶۹۰ھ
★ وصال محبوب الٰہی صاحب رح	سنہ ۷۲۵ھ
★ سلطان کیقباد	۶۸۶-۶۸۸ سنہ
★ علاؤ الدین خلجی	۶۹۵ - ۷۱۴ سنہ
★ سلطان قطب الدین مبارک	۷۱۵-۷۱۹ سنہ
★ سلطان غیاث الدین تغلق	۷۲۵-۷۱۹ سنہ ء
★ محمد بن تغلق	۷۲۵-۷۵۵ سنہ

Marfat.com

کتابیات

۱۔ فوائد الفواد
۲۔ سیر الاولیا
۳۔ دلیل العارفین
۴۔ راحت القلوب
۵۔ افضل الفوائد
۶۔ اسرار الاولیا
۷۔ خیر المجالس
۸۔ سیر العارفین
۹۔ سیر الاقطاب
۱۰۔ روضۃ الاحباب
۱۱۔ اقتباس الانوار
۱۲۔ گلزار ابرار
۱۳۔ مراۃ الاسرار
۱۴۔ جواہر فریدی
۱۵۔ اسرار عترت فریدی
۱۶۔ خزینۃ الاصفیاء
۱۷۔ اخبار الاخیار
۱۸۔ جوامع الکلم
۱۹۔ تذکرۃ الواصلین
۲۰۔ تاریخ مشائخ چشت
۲۱۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات
۲۲۔ LIFE & TIMES OF BABA - FARID
۲۳۔ بابا فرید مطبوعہ آستانہ دہلی
۲۴۔ بابا فرید } حضرت نامی
۲۵۔ تاریخ جلیلہ } حضرت نامی
۲۶۔ سوانح خواجہ معین الدین چشتی
۲۷۔ سیادت فریدی
۲۸۔ نظامی بنسری جیل روزہ
۲۹۔ تذکرہ بہاء الدین زکریا۔

Marfat.com

۳۰- آب کوثر
۳۱- بزم صوفیہ
۳۲- مکتوبات قدوسیہ
۳۳- طبقات ناصری
۳۴- منتخب التواریخ
۳۵- تاریخ فیروز شاہی
۳۶- حجۃ اللہ البالغہ
۳۷- ابن اثیر
۳۸- ابن خلکان
۳۹- اصول السماع
۴۰- نظام تربیت و تعلیم مولانا گیلانی

۴۱- Cresent in India
۴۲- Secrit Path Brinton By Paul
۴۳- Preaching of Islam by arnold
۴۴- Literary History of Persia. by Brown
۴۵- شلوک فرید

وغیرہ وغیرہ

Marfat.com

قطعہ تاریخ طباعت

سوانح حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

نتیجۂ فکر مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی سجادہ نشین
خانقاہ حضرت نوشہ گنج بخش قادری رحمۃ اللہ علیہ ساہن پال شریف
ضلع گجرات

شکرِ للہ ایں کتابِ معتبر — مخزنِ علم و عمل دانِ گہر
بہرِ طلاب حقیقت رہنما — کاشفِ احوالِ شیخ ذوالقدر
آں فریدالدین مسعودِ جہاںؒ — نورِ سیمائیش درخشاں چوں قمر
از افاداتِ وحید احمد جناب — فاضلِ وقت و ادیبِ با اثر

از شرافت۔ سالِ طبعِ او شنو
ذکرِ تاجِ اولیا گنجِ شکرؒ

۶۵ — ۶۱۹

Marfat.com

مصنف کی دوسری تصانیف

۱۔ منصوری۔ ظریفانہ انداز میں کوہ مسوری کی سیر۔ مطبوعہ نقیب پریس بدایوں

۲۔ تصوف۔ عام فہم تشریح تصوف۔ عثمانی پریس بدایوں

۳۔ نشہ کا اُتار۔ نشہ بندی کی تحریک کے متعلق ڈرامہ۔ ہاشمی پریس ″

۴۔ تصوف کی اصلیت۔ تاریخ و اصول صوفیہ۔ نولکشور پریس لکھنؤ

۵۔ گردِ راہ۔ سیاسی و ادبی مضامین کا مجموعہ۔ نامی پریس لکھنؤ، ویو نامینڈ اینڈیا پریس ″

۶۔ سوانح خواجہ معین الدین چشتی۔ تاریخ و تصوف کی روشنی میں۔ سلمان اکیڈمی کراچی

۷۔ اسلام مشرق میں۔ ابتدائی اقوام مغل اور اسلام کی تاریخ۔ زیر طباعت ″

۸۔ محبت کی بلندیاں۔ اسلامی تاریخ کا سچا ڈرامہ۔ نظامی پریس بدایوں

۹۔ جمال صابر کلیری۔ ″ ″ ″

۱۰۔ دھوپ چھاؤں۔ سیاسی، ادبی و ظریفانہ مضامین
۱۱۔ انتخاب رسالہ نقیب۔
۱۲۔ عقل و عقیدہ۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کی تشریح و تنقید

اشاعت کے منتظر ہیں

Marfat.com

Marfat.com

مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح

مؤلف :- محمد ایوب قادری - ایم اے

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور صوفی بزرگ مخدوم جہانیاں جہاں گشت سہروردی سلسلہ کے ایک اجل شیخ تھے وہ حضرت رکن الدین ابو الفتح ملتانی کے مرید و خلیفہ تھے اور چشتی سلسلہ میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی سے اجازت و خلافت رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم رشد و ہدایت کے علاوہ ظاہری علوم میں بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ مغربی پاکستان میں مخدوم صاحب اور ان کے خاندان کے ذریعہ اسلام کی خوب نشر و اشاعت ہوئی۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے حالات نہایت تحقیق اور محنت سے جناب محمد ایوب قادری صاحب نے لکھے ہیں۔ اس کتاب میں بڑی حد تک ہم عصر ماخذ خاص طور سے مخدوم صاحب کے ملفوظات کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور اس سلسلہ میں قادری صاحب نے علیگڑھ، رامپور، ملتان، بہاولپور، اوچ کا سفر کیا ہے۔ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ نامور علماء ادباء اور موقر رسائل و جرائد نے اس کتاب پر گرانقدر آراء کا اظہار کیا ہے۔ قیمت سات روپے مجلد

ملنے کا پتہ :- دار الکتب جامع مسجد بی ایریا لیاقت آباد کراچی

Marfat.com

مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح

مؤلف :- محمد ایوب قادری - ایم اے

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور صوفی بزرگ مخدوم جہانیاں جہاں گشت سہروردی سلسلہ کے ایک اجل شیخ تھے وہ حضرت رکن الدین ابو الفتح ملتانی کے مرید و خلیفہ تھے اور چشتی سلسلہ میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی سے اجازت و خلافت رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم رشد و ہدایت کے علاوہ ظاہری علوم میں بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ مغربی پاکستان میں مخدوم صاحب اور ان کے خاندان کے ذریعہ اسلام کی خوب نشر و اشاعت ہوئی حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے حالات نہایت تحقیق اور محنت سے جناب محمد ایوب قادری صاحب نے لکھے ہیں۔ اس کتاب میں بڑی حد تک ہم عصر ماخذ خاص طور سے مخدوم صاحب کے ملفوظات کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور اس سلسلہ میں قادری صاحب نے علیگڑھ، رامپور، ملتان، بہاولپور، اوچ کا سفر کیا ہے۔ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ نامور علما، ادبا، اور موقر رسائل و جرائد نے اس کتاب پر گرانقدر آرا کا اظہار کیا ہے۔ قیمت سات روپے مجلد

ملنے کا پتہ :- دار الکتب جامع مسجد بی ایریا لیاقت آباد کراچی

Marfat.com

سوانح

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

وحید احمد مسعود

پاک اکیڈمی ۱۴۲/۱ وحید آباد کراچی ۱۸

Marfat.com